عہد نبوی میں اقلیتوں کے حقوق

اصول واسوۂ نبی ﷺ

مولانا ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ☆

Rights of Minorities in the Prophetic Period

Islam is the only religion which safeguards the rights of minorities at all times. This claim, has been practically endorsed by the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) by taking his noble decisions of justice and equality for all human beings during his prophetic period. The rules and regulations set by the Holy Prophet (peace be upon him) for minority rights are standing as a light house for the whole humanity, which can be followed in all the periods. The evolution of minority rights can clearly be observed in the pluralistic society of the Quraish-e-Makkah during the Makkan period of the Holy Prophet (peace be upon him). During the Madinian period, being the head of Islamic state, the Holy Prophet (peace be upon him) implemented all the rules and regulations revealed to him by Allah (SWT) to protect the rights of the minorities. The examples set by him are the milestones of Islamic history, which makes the Muslims proud of.

This articles highlights the aspect of minority rights given to them in an Islamic state during the Prophetic period

اسلام واحد مذہب وثقافت اور حضرت محمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واحد شخصیت وقائد ہیں جنہوں نے ہر حال میں اور ہر زمانے میں اقلیتوں کے حقوق، ان کے اصول ومبادی، نظریات وافکار اور قواعد و

☆ ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ضوابط کے ساتھ ساتھ ان پر عمل کر کے دنیائے انسانیت کے سامنے ایک کامل نمونہ، قابل تقلید اسوہ اور عالم گیر و آفاقی نظام عطا فرمایا ہے۔ مکی عہد حیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے تکثیری معاشرے میں اپنی مسلم اقلیت کے حقوق کا ارتقا پیش کیا۔ مدنی دورِ حکمرانی میں اپنی مسلم اقلیتوں کی ممالک غیر میں ان کے حقوق کی پاس داری اور حصول یابی کی عصری نظام کے مطابق کوشش کی اور اسلامی ریاست وحکومت کے سربراہ کی حیثیت سے اور رسول آخرالزماں ﷺ کے منصب عالی سے اپنی غیر مسلم اقلیتوں کو خالص اسلامی نظام کے سایۂ رحمت میں تمام حقوق عطا فرمائے جن پر انسانیت بہ جا طور سے فخر کر سکتی ہے۔(۱)

مکی دورِ اقلیت میں مسلم اقلیتوں کے حقوق کا معاملہ رہا ہو یا مدنی دورِ حکمرانی میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا مستقبل، اصول ومبادی، افکار و اعمال اور ان کو بہ روئے عمل لانے میں ایک ہی اسوہ و اصل ملتی ہے جو دونوں ادوار کے درمیان سر رشتہ معنی ہے۔ اسے اسلامی عدل و انصاف کا قرآنی معیار بھی کہا جا سکتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوی اسوہ بھی۔ اس نظام عدل اور اسوۂ نبوی میں بے رحم اور بے لچک قانون اور غیر منصفانہ یا جانب دارانہ دستور کا تقاضا قطعی کارفرما نہیں تھا، بلکہ بے کراں رحمت الٰہی اور ناپید اکنار رحمت للعالمین کا محبت بھرا طریقہ کارسازی کر رہا تھا، جو سب کے لئے رحمت وشفقت لاتا ہے۔ اسے عصری اصطلاح میں سماجی عدل کا نظام بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی سماجی عدل اور معاشرتی انصاف نے اقلیتوں کے حقوق کے نبوی اسوے میں عالم گیریت، آفاقیت اور ایک طرح کی ابدیت پیدا کر دی تھی جو عالم انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرتی ہے۔(۲)

اس مختصر مقالے میں عہد نبوی کے دونوں ادوار مکی اقلیت اور مدنی اکثریت میں مسلم اور غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا نبوی اسوۂ پیش کیا جارہا ہے۔ وہ بنیادی طور سے ایک دفتر معنی اور بے پایاں معنویت کا محض ایک باب ہے۔ زمانی ترتیب واقعات اور تاریخی ارتقا کے مطابق مکی دورِ اقلیت میں مسلم اقلیتوں کے حقوق سے بحث کا آغاز کیا جارہا ہے۔

مکی مسلم اقلیتوں کے حقوق کا ارتقا

قریش مکہ کے تکثیری معاشرے میں مسلم اقلیت کے حقوق کا ہی تجزیہ نہیں کیا جا سکا حال آں کہ وہ خالص نبوی سیرت کا باب ہے تو جزیرۂ عرب کے طول و عرض میں بکھری ہوئی مسلم اقلیتوں کے حقوق کا جائزہ کیوں کر لیا جا سکتا تھا۔ ابھی تک ہمارے سیرت نگار اور افکار و نظریات ساز مکی مسلم اقلیت اور وسیع تر و پراگندہ تر عرب مسلم اقلیتوں کا ادراک بھی نہ کر سکے۔ بہ ہر حال یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ بعثت نبوی ﷺ

کے معا بعد مکہ مکرمہ میں ایک مسلم اقلیت اُبھرنی شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ وہ ایک عددی قوت بن گئی۔ دینی لحاظ سے مکی مسلم معاشرہ مکہ مکرمہ کے قریش کے غالب مذہب سے الگ اور ممتاز دینی مقام رکھتا تھا۔ اگرچہ قریش مکہ بالخصوص اور دوسرے عرب بالعموم دین حنیفی کے پیرو ہونے کے دعوے اور واقعے کے سبب کچھ مشترکہ اقدار بھی رکھتے تھے۔ سماجی اور قبائلی لحاظ نے ایک اہم واقعیت یہ تھی کہ مسلم مکی اقلیت کا تعلق قریش مکہ کے تمام بطون اور خاندانوں سے تھا، جزیرہ نمائے عرب میں منتشر مسلم اقلیتوں کا سماجی اور قبائلی ارتباط بالجملہ تو ایک دو قبائل سے تھا مگر وسعت وعرض میں وہ بھی بین القبائلی تھے اور مسلمان اقلیتیں مختلف علاقوں اور قبیلوں میں ان کے متعدد ومختلف خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ تیرہ سالہ مکی دور اقلیت میں مکہ مکرمہ میں مسلم اقلیت کی مرکزیت اور عددی قوت بڑھی تھی اور ان کی تعداد نے ایک خاص امت بنا دی تھی۔ اسی امت مسلمہ مکیہ کے بکھرے ہوئے افراد وطبقات بل کہ نبوی شذرات مشرق میں بحرین وعمان میں، جنوب مشرق میں ہجر وحضر موت میں، خاص جنوب میں یمن وحضر موت کے علاقوں کے قبائل میں اور وسطی جنوب میں قبائل دوس، اشعر وزبید وغیرہ میں موجود وکارفرما ہیں۔ (۳)

سیاسی لحاظ سے ماضی میں تمام مسلم اقلیتیں، خواہ مکی مرکزی مسلم اقلیت ہو یا جزیرۂ عرب کی علاقائی اقلیتیں ہوں۔ اپنے اپنے قبائل وبطون کا ''نظام ملا'' کا ایک حصہ تھیں اور سیاسی اختیارات وفرائض میں غیر مسلموں کا حصہ ہونے کے سبب برابر کی شریک تھیں۔ قبول اسلام کے بعد ان کی سیاسی حیثیت بھی سماجی ومعاشرتی حیثیت کی طرح متاثر ہوئی تھی۔ وہ شریک ہونے کے باوجود ماتحت بن گئی تھیں مگر اس فروتر سماجی اور سیاسی حیثیت میں بھی ان کو مشترکہ عرب زبان وثقافت کی بناء پر بزرگ تر سماجی وسیاسی نظام کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے افراد وطبقات اسلام لانے کے بعد بھی اپنے سماجی اور سیاسی فرائض واختیارات سے یک سر سبک دوش نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی ان کی غالب اکثریت اور غیر مسلم حکم رانوں اور سماجی قائدوں نے ان کو اپنے اپنے سماج وسیاست سے باہر نکالا تھا۔ اقتصادیات ومعاش، تجارت، زراعت، حرفت وصنعت اور مزدوری میں بھی مسلم اقلیتوں کا مقام برقرار رہا تھا اگرچہ بعض احوا! وتجاوزات میں اس کو زک پہنچانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اقلیتوں کے ان مبادی کے بعد ان کے حقوق کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ (۴)

دینی اور مذہبی حقوق

دین ومذہب کے اعتبار سے، کیا اکثریت اور کیا اقلیت سب کا ایک مرکزی اور جامع حق ہوتا ہے جو

مذہب ودین ہے۔ پھر اس دین ومذہب کے ذیلی حقوق ہوتے ہیں جو شجر دین کی کوکھ اور تنے سے پھوٹنے والی شاخوں کی مانند اس کی زائیدہ ہوتے ہیں۔ ان میں جامع حق یا حق الحقوق دین ومذہب اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ اس کے ذیلی حقوق میں شامل ہیں: عبادات کا حق جو مختلف عبادتوں اور مناسک میں مزید منقسم ہوتا ہے، عبادت گاہوں کی تعمیر وتحفظ کا حق، زیارتوں اور مذہبی آمدورفت کا حق، دین ومذہب کی پرامن تبلیغ واشاعت کا حق اور ان جیسے دوسرے حقوق۔ مرکزی مسلم مکی اقلیت کے حوالے سے ان کا بیان مزید وضاحت سے آراستہ اور دلیل سے پیراستہ کردے گا۔

دین اختیار کرنے کا حق مکی تکثیری معاشرے نے بالخصوص اور دوسرے عرب سماجوں نے بالعموم ہر فرد و طبقے کو یا پوری قوم کو اپنی پسند کا دین اختیار کرنے کا حق ہمیشہ تسلیم کیا۔ اسی دستوری اور قانونی حق کی بنا پر عربوں میں مختلف ادیان آئے۔ عرب کے مختلف حصوں میں بالخصوص جنوبی عرب میں یہودیت، نصرانیت کا فروغ اسی حق واختیار کی تسلیم ورضا کے سبب ہوا۔ مشرقی عرب میں مجوسیت اور صابیت کا بیج اسی نے بویا۔ جس طرح وسطی اور شمالی عرب میں ان ادیان نے پیر جمائے تھے۔ اسی تاریخی واقعیت نے اسلام کی تجدیدِ محمدی ﷺ سے ذرا قبل مکہ مکرمہ میں بالخصوص اور دوسرے علاقوں میں حنیفیت کو فروغ دیا۔ اگرچہ مشہور احناف کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ عربوں کے اصل دین حنیفیت یا دین ابراہیمی کی پیروی کررہے ہیں اور کوئی نیا دین نہیں اختیار کررہے ہیں۔ تاہم وہ عرب اور مکہ مکرمہ کے غالب رواجی دین کے خلاف بہ رحال ایک تحریک مزاحمت ہی تھی۔ (۵)

رسالت محمدی کا بقول حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اسی خالص صحیح وسادہ حنیفیت: ''**الحنیفیة السمحة البیضاء** کا احیاہی مقصد اوّلین تھا۔ آپ ﷺ نے ان عربوں کو ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصل دین ہی کی طرف بلایا تھا۔ اس دعوت محمدی کا ایک حکیمانہ پہلو یہ بھی تھا کہ عرب کے اور دوسرے علاقوں کے یہودی اور نصرانی اور بعض دوسرے ادیان کے لوگ بھی دین ابراہیمی کا پیرو ہونے کے دعوے دار تھے۔ اسی طرح وہ اصل دین کی طرف رجوع کرنے کی دعوت تھی جس کے دوررس اثرات تھے۔ ان میں سے سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اسلام یا دین وشریعت محمدی ایک ہی بنیادی حقیقت اور واحد دین عالم گیر ومذہب آفاقی تھا۔ (۶)

اپنی پسند کا دین ومذہب اختیار کرنے کی تاریخی واقعیت نے مکی مسلمانوں اور دوسرے علاقائی مسلمانوں کو ایک قانونی قوت دی۔ اکابر قریش اور دوسرے شیوخ عرب دین اختیار کرنے کے حق کی واقعیت سے بالکل واقف تھے خواہ عوام وظالم اس سے آگاہ نہ ہوں۔ اس کا ایک واضح ذکر حضرت عمر بن

خطاب عدوی قرشی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعے میں ملتا ہے جو متعدد دوسرے حقوق کو بھی اُجاگر کرتا ہے۔ اپنے اعلانِ اسلام یا اختیارِ دین کے اعلان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بعض ظالموں نے تبدیلی دین کی وجہ سے یورش کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کی مدافعت میں سرگرداں دیکھا تو قریش کے ایک عظیم ترین سردار عاص بن وائل سہمی قرشی نے ان کا دفاع کیا اور یورش کرنے والوں کو یہ کہہ کر روکا کہ ایک شخص کو اپنی پسند کا دین اختیار کرنے کا حق ہے لہٰذا تم اس کو اس حق کے استعمال سے کیسے باز رکھ سکتے ہو۔ **رجل اختار نفسه امراء فماذا تریدون؟ خلوا عن الرجل**۔ اس اظہار آزادی میں کئی دوسری آزادیاں اوران کے حقوق بھی شامل ہیں۔(۷)

یہ صرف ایک شخص کبیر اور قائد قریش کا رویہ نہیں تھا۔ بالعموم تمام اکابر قریش نے اس حق کو کسی نہ کسی طرح تسلیم کیا تھا۔ حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کے قبول اسلام اور اختیار دین کے بعد ان کے والد ماجد نے خود تو آبائی دین چھوڑنے یا اسلام کا جدید دین قبول کرنے سے گریز کیا تھا مگر اپنے فرزند دل بند حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نیا دین اختیار کرنے کا حق دیا تھا اور یہی آزادی اُنہوں نے اپنے دوسرے فرزند حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔(۸)

اخبارِ سیرت اور روایاتِ حدیث کا اتفاق ہے کہ بالعموم قریش کے اکابر و عوام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار دین یا دوسرے قریشی اور مکی مسلمانوں کے حق اختیار و انتخاب پر نہ اعتراض کیا اور نہ اس کی روک تھام کی، کیوں کہ وہ دین کے اختیار کرنے کے حق کو شعوری یا غیر شعوری طور سے تسلیم کرتے تھے۔ ان کو اعتراض و انکار اس وقت ہوا جب ان کے آبائی دین اور ان کے جھوٹے خداؤں پر تنقید ہونے لگی۔ ابن اسحاق کے الفاظ ہیں۔ **فلما بادیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم قومه بالاسلام و صدع به کما امره الله، لم یبعد عنه قومهٗ ولم یردوه علیه ...... حتی ذکر آلهتهم و عابد انهم**(۹)

دوسرے عرب علاقوں کے مسلمانوں کا اختیار دین پر اسی طرح کوئی اعتراض نہیں ہو یا جیسا کہ حضرت طفیل بن عمر دوسی، حضرت اشج عبد القیس، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے قبائل و دیار کے اسلامیان عرب کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔ البتہ ان سب کے رواج: دین سے برگشتہ ہونے کو روایت میں صابئیت سے روایات میں ضرور تعبیر کیا جاتا ہے۔(۱۰)

اشاعت و تبلیغ دین کا حق

پیشرو انبیائے کرام اور دوسرے مصلحین مذاہب کے عالمی واقعات سے تمام اقلیتوں کو اپنے دین

کی اشاعت وتبلیغ کا حق ثابت ہوتا ہے۔ بہ شرطے کہ وہ پرامن ہو، زور زبردستی سے پاک ہو، اکراہ واجبار سے منزہ ہو اور خلوص وخیر خواہی پر مبنی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خفیہ تبلیغ و اشاعت کا معاملہ ہو یا اعلانیہ ترسیل دین وشریعت کا واقعہ ہو، کسی نے ان کے حق کو چیلنج نہیں کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تیرہ سالہ مکی زندگی کی تبلیغی مساعی اور اشاعت دین کی کوششیں اسی حق وآزادی پر استوار تھیں۔ سب تسلیم کرتے تھے کہ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کو اپنے اختیار کردہ دین و مذہب کی اشاعت وتبلیغ کا حق حاصل ہے۔ (۱۱)

رسول آخرالزماں ﷺ کی تبلیغی مساعی سے مکی مسلم اقلیت میں دعوت دین اور تبلیغ اسلام کی ایک تحریک پیدا ہوئی۔ روایات حدیث اور واقعات سیرت ثابت کرتے ہیں کہ مکی مسلم اکابر نے اپنے اپنے اعزہ واقربا اور احباب میں دین کی تبلیغ کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ مساعی سے بالعموم ان کے آٹھ یا چھ رفقا واحباب کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ملتا ہے ورنہ ان کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ ان میں خاندان صدیقی کے افراد جیسے والدہ ماجدہ، فرزند اصغر عبداللہ اور ان کی زوجہ کے علاوہ دوسرے قریشی ومکی شامل تھے۔ دوسرے مسلم اکابر میں سے مبلغین کرام تھے: حضرت سعدی بن زید بن عمرو بن نفیل عدوی، حضرت ابوعبیدہ بن جراح فہری قریشی، حضرت خالد بن سعید بن عاص اموی قرشی، حضرت عمر بن خطاب عدوی قرشی، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی اور متعدد دوسرے اکابر وشیوخ بلاشبہ ان مذکورہ بالا عظیم شخصیات کے علاوہ بہت سے مبلغین اسلام اور داعیان حق تھے جنہوں نے مکی دور میں زبردست تبلیغ کی تھی۔ ان میں حضرت خدیجہ بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہا جیسی خواتین نے بھی تبلیغ و اشاعت کا حق استعمال کر کے شاندار نتائج حاصل کئے تھے۔ ایک انصاری خاتون یعنی مکہ مکرمہ میں آباد ہونے والی مدنی خاتون کو ان کی جوشیلی تبلیغ کی بناء پر جلاوطن بھی کر دیا گیا تھا۔ (۱۲)

مکہ مکرمہ کے باہر دوسرے عرب علاقوں میں ان کے پُر جوش اور باہوش مسلم مبلغین نے تبلیغ دین کا کام کیا تھا۔ غفار و اسلم کے دو پڑوسی قبیلوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت انیس غفاری نے دوسرے مبلغین کے ساتھ دونوں کو چند برسوں میں مسلمان بنالیا تھا۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے دوس اور اس کے پڑوسی قبائل میں، حضرت ابوہریرہ دوسی نے اپنے اعزہ واقربا میں، حضرت اشج عبدی اور ان کے رفقا نے پورے قبیلہ عبدالقیس میں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے قبائل اشعر و زبید وغیرہ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی تھی۔ مدینہ منورہ کے قبائل اوس وخزرج کا قبول اسلام بھی مکی واقعہ ہے اور وہ حضرت مصعب بن عمیر عبدی قرشی سے پہلے، ان کے ساتھ اور ان کے بعد اوس وخزرج کے

اوّلین مسلم اکابر جیسے ابوالھیثم بن تیہان، قیس بن زکوان، حضرات سعدین، سعد بن معاذ اوسی و سعد بن عبادہ خزرجی، اسید بن حضیر اور متعدد دوسروں کی تبلیغ کا کارنامہ ہے جو ہجرت سے قبل انجام دیا گیا تھا۔ (۱۳)

دین مذہب پر عمل کرنے کا حقیہ حق و اختیار بھی مجموعۂ حقوق و اختیارات ہے کیونکہ دین و مذہب مختلف شرائع و احکام و مناسک پر عمل کرنے کا نام ہے۔ ان میں سب سے اہم ادائیگی نماز، اقامت صلوٰۃ کا حق مسلم ہے۔ اسی سے وابستہ عبادت گاہ مسجد کی تعمیر و حفاظت کا حق ہے۔ دین حنفی سے وابستگی کی بنا پر خاص مکی دور میں مقامات جلوت و خلوت میں جوار و اعتکاف کا حق اکابر قریش و عرب کو بھی تسلیم تھا۔ ان سے زیادہ خاص مکہ مکرمہ میں بیت اللہ اور مسجد حرام کی موجودگی نے دوسروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی طواف اور زیارت کا حق دیا تھا جو روزانہ کی عبادت بھی تھی اور مستقل معمول اہل مکہ تھا۔ عمرے کو بھی اسی طرح کی مستقل اور معمول کی عبادت اور اس کا حق ہونا مسلم تھا۔ غالباً دین حنفی کا سب سے عظیم بقیہ نقیہ۔ بیت اللہ اور اس سے وابستہ مقامات و مناسک پر سالانہ حج کی عظیم الشان عبادت تھی۔ ان سب اور بعض دوسرے دینی حقوق کو قریش اور عرب تسلیم کرتے تھے اور بالعموم دوسروں کو ان حقوق سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔ (۱۴)

صلوٰۃ کا حق

دین حنفی میں نماز و صلوٰۃ کا مبہم سہی تصور بھی موجود تھا اور کسی نہ کسی شکل میں اس کی ادائیگی کا طریقہ بھی۔ مکہ مکرمہ کے قریش بہ قول بلاذری اور اصحاب سیر چاشت کی نماز خانہ کعبہ کے سامنے صحن مسجد حرام میں مدتوں سے ادا کرتے چلے آئے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ بہ نفس نفیس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد بیت اللہ کے سامنے اسے قبلہ بنا کر وہ نماز ادا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اسلامی طریقے سے ادا کرتے تھے اور اس کی ادائیگی کا حق مسلم قریش اس طرح دیتے تھے کہ اس پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ بعض روایات میں اسے نماز ظہر یا دن کی یک وقتہ نماز بھی کہا گیا ہے۔ بہ ہر حال وہ خاص تعلیم جبریلی پر مبنی اسلامی نماز تھی جو متفقہ تھی۔ (۱۵)

حق صلوٰۃ کا خاص مسلم انداز اس وقت شروع ہوا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مکی مسلمانوں کو صبح و شام کی دو نمازوں کا ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ روایات میں اس کی قطعی زمانی تعین نہیں ملتی تاہم یہ طے ہے کہ دو وقتہ (صلوٰتین) کا حکم ابتدائی دور میں آ گیا تھا۔ اس پر مسلمانوں کا عمل قریب قریب پانچ چھ سال یا اس سے کچھ زیادہ ہی رہا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف دینی مصالح سے اور حکم الٰہی سے بھی روایات سیرت و حدیث کے مطابق مکہ مکرمہ کی وادیوں میں مختلف مقامات پر ان دونوں نمازوں کو با جماعت ادا

کرنے کا اہتمام فرماتے تھے اور بسا اوقات مکی مسلمان مختلف ٹکڑیوں اور متعدد جماعتوں میں نمازین، صلوٰتین مختلف اماموں کی امامت میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ عنہ کے ایسے ہی کسی موقع پر ایک قریشی سردار عتبہ بن ابی معیط اموی کے معترض ہونے پر اسے مار بیٹھنے کو اکابر قریش بل کہ اس دشمن ایمان کے اصحاب تک نے جائز ٹھہرایا تھا کیوں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حق عبادت سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ (۱۶)

بیت اللہ کے سامنے مسجد حرام کے صحن میں ان دونوں نمازوں کو ادا کرنے کا مسلمانوں کو حق تو تھا مگر بعض اکابر مانع تھے۔ ان کی مخالفت، مسلم تعداد کی کمی، فتنہ وفساد سے اجتناب اور بعض دوسرے مصالح سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق پر اصرار نہیں کیا۔ بعثت نبوی ﷺ کے چھٹے سال حضرت عمر بن خطاب عدویٔ قریشی کے قبول اسلام نے اسلام کو قوت وشوکت اور مسلم اقلیت کو طاقت مزاحمت عطا کردی۔ اُنہوں نے مانع اکابر قریش سے لڑ جھگڑ کر بیت اللہ کے سامنے دو وقتہ نمازوں کو ادا کرنے کا حق حاصل کرلیا۔ اظاہر ہے کہ اس مزاحمت فاروقی کو نبوی تائید وتوثیق حاصل تھی۔ دینی معاملات میں صلابت عمری اور قوت فاروقی ہر طرح مسلم ہے مگر ایسے تمام دینی اقدامات کے لئے نبوی اذن جو حکم واذن الٰہی کا پَرتو ہے، لازمی شرط تھا۔ اس کے بغیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور نہ کوئی دوسرا کوئی اقدام کرسکتا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے صلابت فاروقی کو اس انداز میں پیش کیا ہے جس میں ہتک نبوت کا پہلو نکلتا ہے۔ (۱۷)

معراج میں پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مکی مسلمانوں کو مسجد حرام کے صحن میں نمازیں پڑھاتے تھے اور قریش وعرب اس مسلم حق کو تسلیم کرتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دینی صلابت اور مسجد حرام میں نمازیں پڑھنے کا اصرار حق حاصل کرنے کا واقعہ پنج وقتہ نمازوں کے فرض ہونے کے بعد کا بتایا جاتا ہے۔ اس کی تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کارنامہ دوبار انجام دیا تھا۔ (۱۸)

فرض نمازوں کے علاوہ بعض نوافل بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مکی مسلمان مسجد حرام کے صحن میں ادا کرتے تھے۔ ان میں دن اور رات کی انفرادی نمازیں بھی شامل تھیں۔ ان نمازوں اور ان میں تلاوت قرآن کریم کے بعض دل پذیر ودل کش واقعات ابتدائی دور میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک ابن اسحاق وغیرہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام یا اسلام سے تاثر پذیری کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ وہ ایک شبانہ نماز میں قرأت نبوی سن کر اسلام کی حقانیت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل ہوکر اسلام لانے پر تیار ہوگئے تھے۔ (۱۹)

گھریلو مساجد اور صحن بیت اللہ میں دن رات بالخصوص شبانہ نمازوں کا ذکر خیر مکی مسلمانوں کے مستقل معمول کے طور پر آتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''احاطۂ دار'' میں نمازوں، ان میں تلاوت قرآن کرنے اور ان سے عام و خاص کے متاثر ہونے کے واقعات مشہور و معروف ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شبانہ نمازوں کی رقت انگیزی اور اثر انگیزی کا واقعہ بھی سیرت و تاریخ کا ایک قابل فخر نمونہ ہے۔ متعدد دوسرے مکی صحابہ کرامؓ کی گھریلو نمازوں کا ذکر بھی مآخذ میں موجود ہے جو بالعموم ان کی گھریلو مساجد کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس خاص عبادت و صلوٰۃ کو قریش مکہ و عرب تسلیم کرتے تھے اور مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے۔ ان کے بعض اعتراضات کا سبب دوسرا تھا۔ (۲۰)

عبادت گاہوں، مساجد کا تعمیر کا حق خاص مکہ مکرمہ میں شعاب مکہ کی مسجدیں صرف نماز گاہیں تھیں، وہ تکنیکی اور اسلامی لحاظ سے مستقل مسجدیں نہ تھیں۔ ان کے مقابلے میں گھریلو مساجد مخصوص عبادت گاہیں اور تعمیر کردہ مساجد تھیں جو احاطہ صحن یا گھر کے کسی حصے میں نماز کے لئے بنالی جاتی تھیں۔ ان تمام گھریلو مساجد میں اوّلین و بہترین تو مسجد نبوی مکی تھی جو رسول آخر الزماںؐ اور امام المسلمین کی مسجد تھی جہاں آپ ﷺ عبادت کیا کرتے تھے۔ دوسری گھریلو مسجد صدیقی تھی جس کا ذکر اوپر آچکا۔ اس مسجد خاص کی ایک اہمیت یہ تھی کہ وہ باہری احاطے میں تھی۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تو رقت و جذب کے سبب قریشی خواتین و اطفال کو بے تحاشا متاثر کرتے، کیوں کہ وہ ان کی تلاوت سننے کے لئے جمع ہوجایا کرتے تھے۔ احابیش کے سردار ابن الدغنہ کی جوار واپس کرنے اور قریشی اکابر کے اعتراض کرنے کا سبب ان کی مسجد کے حق پر نہ تھا بل کہ وہ اسے اندرون خانہ لے جانے کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے تاکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز و تلاوت سے ان کے بچے اور عورتیں متاثر نہ ہوسکیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس حق سے دست بردار ہونے سے انکار کردیا۔ اپنی اسی باہری مسجد میں جمے رہے اور قریشی اکابر کو ان کا حق تسلیم کرنا پڑا۔ ان کے علاوہ متعدد دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مکی مساجد کا ذکر ملتا ہے جن میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی مسجد کو اوّلین مکی گھریلو مسجد کہا جاتا ہے۔ (۲۱)

مکی دور میں بیرون مکہ مکرمہ متعدد مقامات پر مسلمانوں نے اپنی نمازوں کی ادائیگی کے لئے مساجد تعمیر کرلی تھیں اور ان کے اس حق کو ان کے علاقے کے عربوں اور ان کے اکابر نے تسلیم کیا تھا۔ ان میں حسب ذیل اہم ترین تھیں:

۱۔ غفار و اسلم کے قبیلوں کی متعدد مساجد۔ ایک مسجد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ امام قوم

تھے اور دوسری میں حضرت ایماء بن رحضہ غفاری رضی اللہ عنہ ان کے علاوہ بھی دوسری مساجد اور ان کے امام تھے۔

۲۔ بحرین کے عبدالقیس کے مسلمانوں کی مسجد جواثی وغیرہ۔ مسجد جواثی کا خاص ذکر اس لئے آتا ہے کہ وہ نہ صرف مکی دور نبوت کے آغاز میں تعمیر ہوئی تھی بل کہ پوری قوم کی مسجد جامع تھی اور اس میں مکی دور ہی میں مدینے کی مسجد انصار سے بھی پہلے نماز جمعہ قائم کی گئی تھی۔

۳۔ یثرب میں مسلمانان اوس وخزرج کی متعدد مساجد میں حضرت اسعد بن زرارہ خزرجی کی مسجد "نقیع الخضمات" اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ امام شہر حضرت مصعب بن عمیر عبدری کی امامت گاہ خاص مسجدیں تھیں۔قبا کی ایک الگ مسجد تھی۔ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے قبل دو سال تک ہم مساجد کو آباد کرتے اور نماز قائم کیا کرتے تھے۔

۴۔ جزیرۂ نما عرب کے مختلف مقامات پر آباد مسلم بستیوں کی اپنی مساجد تھیں جو قبائل دوس، اشعر، زبید وغیرہ میں موجود و معروف تھیں۔ بہ قول مخصے جہاں ایک بھی مسلم تھا وہاں ایک مسجد ضرور تھی، خواہ وہ ایک چبوترہ اور چھپر ہی رہی ہو۔

۵۔ مسجد کے تحفظ کا حق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہم اور نمائندہ مثال سے ثابت ہوتا ہے جب اُنہوں نے اپنی جان کے تحفظ کی قیمت پر بھی اپنی گھریلو مسجد کو باہری احاطہ سے اندرون خانہ منتقل کرنے سے انکار کردیا تھا۔ واقعہ فیل نے بیت اللہ کی حفاظت کا حق سب سے زیادہ ثابت کیا تھا جسے ابرہہ اشرم چھین لینا چاہتا تھا۔ (۲۲)

دوسرے دینی حقوق اس میں متعدد کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سب سے اہم بیت اللہ کے روزانہ یا معمول کے طواف، عمرہ اور حج ادا کرنے کے حقوق کا معاملہ مکی دینی تناظر اور دین حنیفی کے تسلسل میں سب سے اہم تھا اور قریش وعرب بھی ان دینی حقوق کو تسلیم کرتے تھے۔ رسالت محمدی ﷺ کے بعد مکی مسلمانوں کا معاملہ ہو یا بیرون مکہ سے آنے والے مختلف عرب مسلمانوں کا مسئلہ ہو، اکابر قریش اور متولیان بیت اللہ اور منتظمین حج وعمرہ نے اختلاف مذہب کی بنا پر مسلمانوں کو مکی دور میں کبھی نہیں روکا۔ کیوں کہ وہ دین ابراہیمی کی مشترکہ میراث تھی اور مسلمانوں کے ان مناسک وعبادات کے ادا کرنے سے وہ خوش بھی ہوتے تھے۔ مزاحمت قریش اگر تھی بھی تو دوسرے اسباب سے تھی۔

عہد جاہلی سے پورے تیرہ سال مکی دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مکی اور عرب مسلمان بیت اللہ کا طواف کرتے رہے۔ ان کی تعداد ان کی شعوری عمروں کے دنوں سے بھی زیادہ تھی

کیوں کہ بسا اوقات وہ روزانہ ایک سے زیادہ طواف کیا کرتے تھے۔

مکی مسلمانوں کی عبادت عمرہ بھی مسلسل تھی۔ اس کی تعداد بھی کافی تھی کہ ان کی روزانہ نہ سہی مستقل اور معمول کی عبادت تھی۔ بیرونی مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی عمرہ کرنا پڑتا تھا کیوں کہ وہ اسلامی عبادت و فرضیت تھی جو دین ابراہیمی سے مسلسل چلی آرہی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل بعثت اور مکی دور کے زمانہ رسالت کے دوران عمروں اور حجوں کے بارے میں اہل روایت نے کافی ابہام پیدا کردیا ہے۔ اس پر بحث کہیں اور کی جاچکی ہے۔ مصادر سیرت سے اور روایات حدیث سے بالکل ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل بعثت اَن گنت حج اور عمرے کئے تھے اور بعد بعثت پورے بارہ یا تیرہ حج ادا فرمائے تھے، کیوں کہ آپ ﷺ ہر سال مواسم حج میں قبائل عرب کے خیموں اور ڈیروں پر جاتے تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے۔ یہی عمل صحابہ اور تعامل مسلمین بھی تھا۔ (۲۳)

''تحنث'' ایک وسیع تر بلکہ جامع ترین اصطلاح تھی جس کا بنیادی مطلب یہ تھا کہ دین حنفی کے مطابق نیکی و اجر کی نیت سے اعمال صالحہ، صلہ رحمی، جوار، غلاموں کی آزادی، صدقہ و خیرات، کم زوروں بے کسوں کی مدد، مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ شامل تھے۔ ان پر تمام نہ سہی بیشتر اکابر و عوام قریش کا عمل تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حراء کا رمضان میں جوار اور مسجد حرام میں اعتکاف اسی کا مشہور ترین حصہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جوار رمضان کو ادا فرماتے تھے اور دوسرے مسلمان بھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''جوارِ رمضان'' کا یہ سلسلہ اسلامی نبوی عہد کے بعد خلافتِ اسلامی میں بھی جاری رہا تھا۔ (۲۴)

دینی تعلیم و تربیت کا حق

ایمان و اسلام قبول کرنے والوں کی سب سے بڑی دینی ضرورت ان کی دینی تعلیم و تربیت تھی جو ان کے فرائض و حقوق سے آگاہ کرتی تھی۔ اس حق اقلیت کے ساتھ دوسرا لازمی دینی مراکز کی تعمیر و تشکیل کا تھا کیوں کہ ان کے بغیر تعلیم و تربیت نہیں دی جاسکتی تھی۔ مراکز تعلیم و تربیت دو طرح کے تھے: ایک عام مسلمانوں کے گھروں میں قرآن و اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی جس کی نمائندہ مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت رسالت و نبوت تھا۔ حضرت خدیجہ، حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اور بہت سے صحابہ کو اسی مقام نبوت پر تعلیم ملی تھی۔ دوسرا معروف و مسلم مرکز تعلیم حضرت عمر بن

خطاب عدوی قریشی رضی اللہ عنہ کے بہن و بہنوئی حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور حضرت فاطمہ بنت خطاب کا خانہ مبارک تھا، جہاں حضرت خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ عنہ ان دونوں میاں بیوی کو ''صحف قرآن'' پڑھاتے تھے اور جن کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ صرف یہی دو گھر تعلیم و تربیت کے مراکز نہیں تھے بل کہ تمام اہم صحابہ کرام بالخصوص ان کے تعلیم یافتہ حضرات کے گھر تعلیم دین کے مراکز تھے۔

دار ارقم کا مرکز تعلیم و تربیت اوّلین تو نہ تھا، جیسا کہ بعض اہل سیر کا خیال ہے، تاہم وہ سب سے پہلا اجتماعی مدرسہ و مرکز تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ڈھائی سال کے بعد وہاں مستقل طور سے تعلیم و تربیت کے لئے آباد ہو گئے تھے۔ اسی مقام نبوی پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اس مرکز کی ایک امتیازی حیثیت بن گئی کہ سابق اوّلین میں سے بالعموم اکثر اسلام لانے والوں کے لئے یہ وضاحت ابن سعد وغیرہ ضرور کرتے ہیں کہ وہ دار ارقم میں داخلے سے قبل یا اس کے بعد اسلام لائے تھے اور بالعموم ان کی اسلامی عددیت بھی بیان کی جاتی ہے۔ حضرات حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی، عمر بن خطاب عدوی اور دسیوں دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جن میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ اہم ہیں۔ اسی مرکز تعلیم و تربیت میں دینی تعلیم پائی تھی۔ ان میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین اسلام بھی شامل تھیں۔ ابن سعد اور دوسرے اہل قلم نے متعدد صحابیات کے دار ارقم کے مرکز اسلام و تربیت و تعلیم سے استفادہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔

مسجد حرام میں مجلس و مسند نبوی اکابر قریش کی مانند خانہ کعبہ کے سارے میں مسجد حرام کے صحن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک مسند تھی۔ اکابر قریش کی ان مجالس کو قرآن و حدیث میں اندیہ جمع نادی کہا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسند و مجلس میں مسلمانوں کی تربیت و تعلیم تو کرتے ہی تھے قریشی مجالس کے اکابر و حاضرین کو بھی اسلامی تعلیمات سے روشناس فرماتے تھے، ان کو قرآن کریم سناتے تھے اور اہم عقائد و ارکان کی تعلیم دیتے تھے۔ اس سے زیادہ آپ ﷺ ان کے اخلاق و معاملات کو سنوارنے، کمزوروں اور ضعیفوں کے حقوق ادا کرنے اور دوسرے معاملات کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اکابر صحابہ دراصل چلتے پھرتے مدرسے اور تعلیمی مراکز تھے کہ جہاں جاتے اور تمام مقامات پر جاتے تھے، وہاں تعلیم کا کام کرتے تھے۔

بدوی قبائل کے تعلیمی مراکز مختلف مقامات و بلاد عرب پر منتشر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے مراکز بھی تھے جن کو ان کے اکابر نے تسلیم کیا تھا۔ (۲۵)

سماجی حقوق

۱۔ سماجی تحفظ کا حق

عرب جاہلی کا معاشرہ بھی سماجی تحفظ کا حق تسلیم کرتا تھا اور اس کے تحت سب لوگوں کو جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرتا تھا۔ اصلاً ان کا قبائلی نظام ہی اس تحفظ کا ذمے دار تھا، کیوں کہ ہر خاندان بطن اور قبیلے کی یہ سماجی ذمے داری تھی کہ وہ اپنے ہر فرد و طبقے کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے اور ان پر کسی غیر کو ظلم نہ کرنے دے اور اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اس کا انتقام و قصاص لے۔ جاہلی نظام حفاظت نے ہر قبیلے، بطن و خاندان کے درمیان یا ان کے شہر و قریہ کے اندر غیروں، بے گانوں اور آفاقیوں کے تحفظ کی بھی ضمانت دی تھی۔ غیر قبیلہ والوں اور بیرنیوں کو وہ ولاء کے رشتے سے اپنے خاندان/بطن کا ''مولیٰ'' اور حلف کے رشتے سے حلیف بنا لیتے تھے۔ یہ دونوں مستقل رشتے تھے عارضی یا وحدانی تحفظ کے شخص کو جوار عطا کرتے تھے جو اس شخص کو پورے خاندان/ قبیلے کی حفاظت دیتا تھا۔ اس شخص کو جار کہتے تھے۔ بسا اوقات ان جاروں موالی اور حلیفوں کے تحفظ کی خاطر عرب قبیلوں نے ایک دوسرے سے جنگیں لڑی تھیں جن میں بعض بہت مشہور ہیں۔ (۲۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مکی صحابہ کرام، خواہ قریشی ہوں یا غیر قریشی، اس نظام تحفظ معاشرتی سے وابستہ چلے آرہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو ہاشم و بنو مطلب کی متحدہ حفاظت ان کے سربراہ جناب ابو طالب بن عبد المطلب ہاشمی کی حمایت کی وجہ سے حاصل تھی۔ جس طرح دوسرے قریشی خاندانوں، بنو امیہ، بنو مخزوم، بنو زہرہ، بنو اسد، بنو عدی، بنو تیم، بنو سہم، بنو جمح وغیرہ کو اپنے تمام ارکان کی حفاظت کا فریضہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ دل چسپ اور اہم بات یہ تھی کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ان کے خاندان و قبیلے والے ان کی حفاظت سے ہاتھ نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ یہ ایسا فریضہ اور ایسی ذمے داری تھی جس میں ذرا سی کوتاہی بھی ان کے لئے باعث عار تھی اور وہ تمام قبائل کی نظر میں سبک بن جاتے کہ کیسے بے غیرت ہیں کہ اپنے افراد خاندان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس سماجی تحفظ کے نظام سے فائدہ اُٹھایا اور اختلاف مذہب اور تبدیلی دین کے باوجود قبیلوں اور خاندانوں کو اپنے مسلم ارکان کی حفاظت کرنی پڑی۔ (۲۷)

اکابر قریش اور معاندین اسلام نے جب اس تسلیم شدہ نظام تحفظ کو خود توڑا اور خود اپنے مسلم ارکان پر ظلم کرنے لگے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان و مال کی حفاظت کے لئے دو طریقے اختیار کئے۔ مکی

سماج اور معاشرے میں رہتے ہوئے کسی دوسرے خاندان کے بااثر سردار اور عظیم شخصیت سے پناہ (جوار) طلب کرتے اور ان کی حفاظت کے حصار میں چلے جاتے تھے۔ عرب معیارِ شرافت ونجابت اور طریق پندار ومروت کی بنا پر کسی شیخ وسردار کو جوار دینے سے انکار کرنے کا حوصلہ بھی نہ ہوتا کہ اس میں ان کی سبکی اور ذلت تھی۔ لہٰذا وہ طلب پر جوار عطا کردیتے تھے۔ پھر ان کے ذہن میں یہ حقیقت بھی رہتی تھی کہ مسلمان ہونے کے باوجود طالبانِ جوار ان کے عزیز وحلیف بسا اوقات بعض اہم سردار وشیوخ بلا طلب ہی کسی مرد مسلم کو اپنی جوار و پناہ میں لے لیتے تھے کہ اس سے ان کی شان وشوکت بڑھے گی۔ ان کی چند مثالیں مکی تاریخِ اسلامی سے ذیل میں درج کی جاتی ہی:

۱۔ تاریخی توقیت کے لحاظ سے اوّلین جوارِ طلب وہ تھی جو بنوسہم کے عظیم سردار عاص بن وائل سہمی نے حضرت عمر بن خطاب عدوی رضی اللہ عنہ کو ان کے قبولِ اسلام کے معابعد مظالمِ قریش سے بچانے کے لئے خود ہی بڑھ کر دی تھی۔ حضرت عمر بن خطاب عدوی رضی اللہ عنہ خود اپنی ذاتی شخصیت وحیثیت سے صاحب جلال وجبروت تھے مگر ان کا خاندان بنوعدی عددی قلت کے سبب کم زور تھا اور وہ ان کی حفاظت سے قاصر تھا۔ پھر یہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ظلم ہوتے دیکھ کر ان کو جوار دی گئی تھی اور بنوسہم سے ان کا معاہدہ بھی تھا۔ (۲۸)

۲۔ مظالم قریش سے تنگ آکر بنوتیم کے عظیم ترین مسلم شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ سے ہجرت کی اور ابھی دور تک نہ گئے تھے کہ احابیش کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی اور اس نے ازخود ان کو اپنی جوار میں مکہ پہنچادیا۔ ایک مدت تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی جوار میں حفاظت سے رہے۔ (۲۹)

اس کی سب سے عظیم وجلیل مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوار کی ہے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی حمایت وحفاظت سے نئے سربراہ ہاشم ومطلب ابولہب ہاشمی نے انکار کردیا تو آپ ﷺ اس کی جستجو میں طائف کے اکابر ثقیف کے پاس گئے۔ ان کے انکار کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپسی پر مقام نخلہ سے اپنے مولیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خاندان بنوعبد مناف کے ایک بطن بنونوفل کے سردار مطعم بن عدی بن نوفل سے جوار حاصل کرنے کے لئے بھیجا اور نوفلی سردار نے بلاکسی تردد کے آپ ﷺ کو اپنی جوار میں لے لیا۔ اکابر قریش اور نظام مکہ نے اس جوار کو تسلیم کیا اور آپ ﷺ اسی کے سایے میں مکہ میں داخل ہوئے اور تین سال تک اس کی حفاظت میں مکہ میں رہے۔ (۳۰)

۴۔ مہاجرین حبشہ کے مکہ مکرمہ واپس آنے والوں میں متعدد حضرات مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے۔ اُنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ومشورے سے قریش کے مختلف خاندانوں کے شیوخ سے جوار طلب کی اور وہ اُن کو فوراً مل گئی۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی تھے: ۱۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالعزیٰ مخزومی، ابو طالب ہاشمی کی جوار میں ۲۔ حضرت عثمان بن عفان اموی، ابواحیحہ سعید بن العاص کی جوار میں، ۳۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جیمیؓ امیہ بن خلف جمحی کی جوار میں، ۴۔ حضرت زبیر بن عوام اسدی، زمعہ بن اسود اسدی کی جوار میں، ۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری، اسود بن عبد یغوث زہری کی جوار میں، ۶۔ حضرت عثمان بن مظعون جمحی، ولید بن مغیرہ مخزومی کی جوار میں بلا۔ ذری وغیرہ نے ایسے متعدد صحابہ کرام کی ''عند الطلب'' جوار کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ قریش مکہ کی طرح سماجی تحفظ کا یہ قبائلی نظام دوسرے عرب قبائل میں بھی کارفرما تھا اور مسلمانوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا کہ وہ ان کا حق تھا جس سے ان کے دشمنوں کو بھی انکار نہ تھا۔ البتہ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ ظالموں نے غیر خاندانی مسلموں کو تو تحفظ دیا مگر اپنوں پر ظلم کرتے تھے۔ (۳۱)

معاہدۂ امان کا حق

سماجی نظام تحفظ کے ساتھ ساتھ قبائلِ قریش اور ان کے شیوخ وسادات انفرادی معاہدۂ امن کا حق بھی تسلیم کرتے تھے۔ بالعموم اس حق کے تحت دو دوست یا دو شریک کار یا دو تجارتی ندیم باہمی معاہدہ کر لیتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کی جان و مال اور مفادات کا تحفظ اپنے اپنے علاقوں میں کریں گے۔ اس معاہدۂ امن کے تحت وہ بالفعل ان کو حفاظت فراہم کرتے تھے اور اکابر علاقہ اس کو مانتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ نے اپنے پرانے کافر دوست اور شریک تجارت امیہ بن خلف جمحی سے ایک ایسا ہی معاہدہ کیا تھا جو ہجرت مدینہ سے قبل کیا گیا تھا اور جس کے تحت حضرت عبدالرحمٰن بن زہری رضی اللہ عنہ اپنے دوست کی جان و مال وتجارت کا تحفظ مدینہ میں کرتے اور امیہ بن خلف جمحی حضرت عبدالرحمٰن زہری رضی اللہ عنہ کے جان و مال اور مفادات کا تحفظ مکہ مکرمہ میں کرتے تھے۔ ایسے معاہدے دوسرے افراد کے درمیان بھی ہوئے تھے اور مختلف علاقوں میں ہوئے تھے۔ ان کا ذکر بالعموم تجارتی تعلقات اور مکے مدینے میں قیام تجار کے حوالے سے آتا ہے۔ (۳۲)

شخصی مدافعت کا حق

ایک شخص اپنا یا اپنے خاندان کے کسی فرد کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت میں ظلم کرنے کے خلاف

آواز اُٹھا سکتا تھا اور ظالم سے اپنی یا اپنے عزیز کی مدافعت میں اقدام بھی کر سکتا تھا۔ قبائل عرب اور شیوخ قریش اس انفرادی حق کو تسلیم کرتے تھے اور مسلمان بھی اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اس مدافعت میں ظالموں کو ان کے مظالم کی پاداش سے زبانی ڈرانا بھی شامل تھا اور ان کو بد دعا دینا بھی۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اکابر قریش کو سر اقدس پر اوجھڑی ڈالنے کے واقعے کے بعد بد دعا دی تھی اور ان کے لئے ذبح کی دھمکی بھی دی تھی یا دوران طواف کعبہ ابو جہل مخزومی وغیرہ کو عذاب ذبح وغیرہ سے ڈرایا تھا۔ ایسے متعدد واقعات کا ذکر کتب حدیث وسیرت میں ملتا ہے۔ (۳۳)

جسمانی مدافعت کرنے میں ظالم کو مارنے، اس سے بدلہ لینے اور اس پر حملہ کرنے کا حق بھی اس نظام تحفظ نے مسلمانوں کو دیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ عنہ نے قریشی سردار عقبہ بن ابی معیط اموی کو اونٹ کی ہڈی مار کر زخمی کر دیا تھا کہ وہ نماز کا حق ادا کرنے میں حارج تھا۔ اسی ظالم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوران نماز تکلیف پہنچانے کی وجہ سے دھکا دے کر دور کیا تھا۔ ایسے اور کئی واقعات مذکور ہیں۔ حضرت حمزہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ ابو جہل مخزومی کو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے کی پاداش میں کمان مار کر زخمی کر دیا تھا اور خود ظالم نے اپنے ظلم کو مانا تھا۔ متعدد صحابہ کرام جیسے زبیر بن عوام اسدی، عثمان بن مظعون جمحی وغیرہ نے اپنے مسلم اصحاب پر ظلم کا بدلہ ظالموں کو زدوکوب کر کے لیا تھا۔ (۳۴)

شخصی اور سماجی آزادی کا حق

عرب کے مسلمہ سماجی تحفظ کے نظام کی پابندیوں سے تنگ آکر بعض معاند اکابر قریش نے شخصی آزادی سلب کرنی چاہی۔ پہلے تو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مربی و سرپرست ابو طالب ہاشمی پر دباؤ ڈالا کہ آپ ﷺ کی خاندانی حمایت اور سماجی تحفظ سے باز آجائیں۔ جب اس میں کامیابی نہ ملی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عوض ایک ''مردکا'' کو بنو ہاشم کے شیخ کے حوالے کرنے اور آپ ﷺ کو راہ سے ہٹانے کا متبادل پیش کیا۔ وہ ایسا احمقانہ تبادلہ اور مشورہ تھا جس کی دوہری مار کا راز خود ابو طالب ہاشمی نے یہ کہہ کر فاش کر دیا کہ تمہارے آدمی کی حفاظت میں کروں اور تم میرے آدمی کو قتل کر ڈالو۔ ایسا نہیں تھا کہ پیش کش کرنے والے اکابر قریش احمق تھے۔ وہ بڑے دور اندیش اور سمجھ دار لوگ تھے اور ہر حیلے و بہانے سے مقصد براری چاہتے تھے۔ ان تمام شخصی اور سماجی دباؤ اور حربوں کی ناکامی کے بعد انہوں نے بالآخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی پاداش میں سماجی مقاطعے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے

تحت بنو ہاشم اور بنو مطلب کا ہر طرح کا سماجی بائیکاٹ کردینے کا جال بچھایا اگر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دست برداری نہیں کرتے۔ بیشتر اکابر قریش اور مکی عوام اس سماجی مقاطعے کے خلاف تھے کہ وہ ان کی مسلمہ اقدار اور روایات تحفظ و آزادی کے خلاف ہی نہیں منافی تھا۔ وہ اس کی مخالفت اس لئے کھل کر نہ کرسکے کہ ان پر حمایت اسلام کا الزام نہ لگ جائے اور قریش قبائل میں پھوٹ ڈالنے کے مجرم بن جائیں۔ ان دو اسباب فساد سے قریش مکہ بہت گھبراتے تھے اور وہ قریشی اتحاد و یگانگت کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے تھے کہ وہ ان کی اصلی قوت تھی۔ (۳۵)

سماجی مقاطعے کا صحیفہ باقاعدہ لکھا گیا اور اس کے اعلان واطلاق کی خاطر اسے باب کعبہ پر آویزاں کردیا گیا۔ ابوطالب ہاشمی بنو ہاشم اور بنو مطلب دونوں خانوادہ ہائے بنو عبد مناف کے مسلمان اور غیر مسلم افراد و ارکان کے اپنی خاندانی وادی میں چلے گئے۔ اپنے گھروں سے شعب ابی طالب / بنی ہاشم میں جانے کا فیصلہ اس لئے کیا گیا تھا کہ بکھرے ہوئے گھروں اور منتشر ارکان کی حفاظت وہاں مشکل تھی۔ اس ابتلا و آزمائش کا مقابلہ ایک متحد و منظم خاندانی مدافعت کے ذریعے ہی کیا جا سکتا تھا اور آلام ومصائب کو اسی کے ذریعے برداشت کیا جاسکتا تھا۔ سماجی مقاطعے کی دفعات بڑی ظالمانہ تھیں۔ بنو ہاشم و بنو مطلب کے کسی فرد سے کسی قسم کا سماجی تعلق نہ رکھا جائے، ان کے ساتھ کوئی لین دین نہ کیا جائے، ان کے ساتھ خرید و فروخت نہ کی جائے۔ حتیٰ کہ ان کو غلہ اور دوسری ضروری چیزیں فراہم نہ کی جائیں اور ان سے شادی بیاہ نہ کیا جائے۔ مقاطعے کی ان دفعات میں سماجی تحفظ کے علاوہ صلہ رحمی، رشتہ داری، قرابت اور دوسری اقدار کی کھلم کھلا خلاف ورزی تھی جو اخلاق عرب کے خلاف تھی۔ اسی لئے متعدد اشخاص، جیسے حکیم بن حزام اسدی ہشام بن عمرو عامری اور ابوالبختری وغیرہ نے محصور خاندانوں کے افراد کی چوری چھپے اور بعض اکابر کے علی الرغم معاشی امداد کی۔ بالآخر ان ہی جیسے پانچ چھ شیوخ قریش نے جو مختلف بطون کے تھے، سماجی مقاطعے کے صحیفہ کو چاک کرکے بنو ہاشم و بنو مطلب کو محصوری سے نکالا اور ان کو ان کی شخصی، سماجی اور کسی حد تک اقتصادی آزادی دی اور ان سماجی حقوق کو واپس دلا کر قریشی معاشرے میں واپس لائے۔ (۳۶)

مسلم سماجی تنظیم سازی کا حق

قریشی اکابر کو بالخصوص اور دوسرے باشندگانِ مکہ کو بالعموم اسلام سے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے بڑا شکوہ یہ تھا کہ اُنہوں نے خاندانِ قریش کے سماجی اتحاد اور قومی وحدت و یگانگت کو پارہ پارہ کردیا اور دین کے اختلاف نے خاندانی نظام کو غتربود کردیا۔ ان کا شکوہ بے جا تھا اور ان کا قلق و

اندوہ قابل فہم۔ حقیقت یہ تھی کہ قریش اور مکہ کے تمام خاندان و بطون دو دینی اکائیوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک ہی خاندان میں بعض مسلمان تھے اور بعض غیر مسلم۔ باپ مسلمان تھا تو بڑا بیٹا غیر مسلم۔ جیسے خاندانِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ہوا تھا۔ بیٹا مسلمان تھا تو باپ غیر مسلم جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان تھے اور ان کے باپ ابوقحافہ غیر مسلم، اسی طرح شوہر مسلمان تھا تو بیوی کافر یا اس کے برعکس معاملہ تھا۔ خاندانوں کی اس دینی اور مذہبی تقسیم نے قریشی اکابر و افراد کو جن مسائل اندوہ سے دوچار کیا تو کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایک مسئلہ پیدا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ہر خاندان کے مسلم ارکان اسلام کی بنا پر اپنے خاندانوں کے سربراہوں کے مظالم کا ہدف بن گئے تھے اور اپنے ہی گھر میں اچھوت تھے۔ (۳۷)

اس سے زیادہ قریشی خاندانوں اور دوسرے مکی مسلمانوں کے افراد کا سماجی اور نفسیاتی مسئلہ یہ تھا کہ وہ بے گھر بن گئے تھے۔ وہ اپنے خاندان سے تو کٹ گئے تھے اور کسی دوسرے خاندان سے جڑ کر ان کے فرد و رکن بھی نہ بن سکے تھے کہ بیچ میں دین کی خلیج حائل تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلے کا حل ''اسلامی مواخاۃ'' کے طریقے سے نکالا جس کا دارومدار دینی رشتے اور مذہبی اخوت پر ہے اور جس کا ذکر قرآن و حدیث میں پایا جاتا ہے اور صرف ذکر ہی نہیں بل کہ اس مذہبی اخوت اور دینی یگانگت کی سماجی قوت و تنظیمی طاقت کا بھی اسی کو مکی مواخا کتب سیرت و حدیث میں کہا گیا ہے جس کا ذکر بالعموم صاحبان سیرت اس کے صحیح مقام پر نہ کر کے اس کی اہمیت ختم کر دیتے ہیں۔ مکی مواخاۃ کے تحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نیا سماجی نظام برپا کیا تھا اور امت اسلامی کا ہمہ گیر اور محبت آگیں نظریہ و عمل دیا تھا۔ قریش کے دو خاندانوں کے دو افراد کو ان کے سماجی، معاشی، تہذیبی اور دینی اور بعض دوسری حیثیتوں کو مدنظر رکھ کر ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن خطاب عدوی رضی اللہ عنہ کا، حضرت عبدالرحمن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ کا، حضرت طلحہ بن عبدالسعد تیمی رضی اللہ عنہ کو حضرت زبیر بن عوام اسدی رضی اللہ عنہ کا، حضرت مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اور اسی طرح تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا برادر بنا دیا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے رفیق و صاحب تھے۔ حتیٰ کہ ان دونوں بھائیوں کو ایک کی موت کی صورت میں دوسرے کو عزیزوں کی موجودگی میں وراثت کا حق بھی دیا تھا۔ اس مکی مواخاۃ کا زمانہ ۶ / ۶۱۶ بعد نبوت کا زمانہ ہے۔ اس کا اثر اتنا دور رس اور عظیم تھا کہ مواخاۃ کے دونوں بھائی ہمیشہ ایک دوسرے کے گہرے رفیق، محبت آگیں عزیز اور زندگی کے ساتھی رہے۔ اور اسی نے پہلی بار مکہ مکرمہ میں امت اسلامی کی تشکیل کی جس پر بعد میں ارتقا ہوا۔ (۳۸)

اقتصادی اور معاشی حقوق

مکی عہد میں دور جاہلی سے عہد اسلامی کے اواخر تک مسلمان افراد وطبقات اپنے معاشی نظام سے اسی طرح وابستہ رہے۔ ہمیشہ سے تقدیر الٰہی کے فیصلہ کے تحت انسانی اقتصاد ومعاش کے چار بنیادی ذرائع رہے ہیں: تجارت، زراعت، حرفت اور مزدوری۔ قریش مکہ اور دوسرے ساکنانِ ارض حرم بنیادی طور سے تاجر تھے۔ معمولی پھیرے لگانے والوں، دکانداروں سے لے کر بین الاقوامی تجار تک۔ وہ یمن اور شام اور ان کے واسطے سے دوسرے ملکوں سے بین الاقوامی تجارت کرتے تھے۔ قریش مکہ کی تجارتی ریڑھ کی ہڈی شام سے تجارت تھی۔ مسلمان تاجران مکہ یمن و شام اور دوسرے اسواق (بازار) عرب میں تجارت کرتے رہے، بل کہ اسلامی مکی دور میں ان کی تجارت میں ترقی ہوئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تجارتی نمائندوں یعنی اکابر قریش اور دوسرے تاجروں کو مال دے کر شام وغیرہ سے بعد نبوت بھی تجارت کرتے رہے۔ صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، عبدالرحمن زہری، سعد بن ابی وقاص زہری، طلحہ بن عبید اللہ تیمی، زبیر بن عوام اسدی وغیرہ شامی تجارت میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے دوسرے مکی اور قریشی تاجروں کی تجارتی کارکردگی کا ذکر ملتا ہے۔

اس تجارت کے مشغلے سے وابستہ کئی جہات تھے:

۱۔ تجارتی لین دین اور شراکت ومضاربت مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اسی طرح جاری رہی جیسی عہد جاہلی سے چلی آرہی تھی۔

۲۔ بسا اوقات ایک ہی کاروانِ تجارت میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک ہوتے تھے۔

۳۔ مسلم تجارتی کاروانوں کی ایک ممتاز اور نئی طرح اور ریت قائم ہوئی کہ مسلمان مکی تاجروں نے اپنے خاص کارواں ترتیب دیے۔

۴۔ کافر تجار مسلمان صاحب مال کے مال کے ساتھ مضاربت وشراکت کی بنا پر تجارت کرتے تھے اور برعکس بھی واقعہ تھا۔

۵۔ تجارتی ندیمی کا رشتہ اختلاف دین کے باوجود مسلمانوں اور غیر مسلم قریشیوں وغیرہ کے درمیان جاری رہا۔

ان کے علاوہ متعدد دوسرے جہات وابستہ تھے۔ ان کا مجموعی نتیجہ یہ تھا کہ قریش مکہ اور عرب قبائل نے مسلمانوں کے تجارتی حقوق کو تسلیم کیا تھا۔

اگر چہ مکہ مکرمہ کی سرزمین زراعت کے لئے غیر موزوں تھی تاہم مکی اکابر اور شیوخ قریش کے باغات اور زرعی اموال قریبی عظیم شہر وعلاقہ طائف وثقیف میں موجود تھے جہاں وہ زراعت کرتے تھے اور باغات لگاتے تھے اور ان سے زرعی پیداوار یں حاصل کرتے تھے ان میں بعض مسلم زرعی جائدادیں اور اموال تھے۔

صنعت وحرفت کا ذکر ملتا ہے لیکن بعض مسلم خواتین وحضرات کی حرفت وکاریگری کا ذکر پایا جاتا ہے اسی طرح ان کے دوسرے پیشوں کا بھی ان میں حضرت خباب بن ارت تمیمی لوہاری کا کام کرتے تھے اور خاصے مالدار تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری تاجر بھی تھے اور تیر گر صنعت کار بھی۔

ہاتھ سے کام کر کے کمانے والے بہت تھے اور وہ اپنی مزدوری سے اپنی روزی کماتے تھے۔

ان تمام معاشی اور اقتصادی پیشوں اور طریقوں سے وابستگی کے حق کو قریش نے تسلیم کیا تھا اگر چہ بعض اوقات وہ زیادتی بھی کرتے تھے، جو دوسری چیز تھی۔ (۳۹)

دینی مواسات وخیر خواہی کا حق

دینی اخوت اور مذہبی یگانگت بڑی کرشمہ ساز ہوتی ہے۔ وہ خون، وطن، سرحد اور شعور وادراک کو بھی پار کر جاتی ہے۔ اسلامی اخوت میں خالص دینی اور مذہبی یگانگت ووابستگی کے علاوہ الٰہی تاثیر اور محبت نبوی کی دل سوز اثر انگیزی بھی شامل ہے۔ توحید کے رشتے نے محبت رسول ﷺ کے ساتھ اس میں فکری صلابت وللک کے ساتھ شخصی محبت اور حسی یگانگت کی آگ بھر دی ہے۔ عہد نبوی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی شخصیت، سحر انگیز سیرت اور اندرون خاطر میں تیر نیم کش کی مانند گھس جانے والی محبت وعقیدت نے ایک طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین شخصیت بنا دیا تھا تو دوسر طرف ان کے امتیوں کے لئے بے کراں محبت پیدا کر دی تھی۔ ان تمام عناصر وعوامل کے ساتھ اقلیت سے وابستگی کا فطری مادۂ ربط وارتباط بھی صحابہ کرام کو ایک دوسرے سے پیوست کرتا تھا۔ رہی سہی کسر مکی مواخاۃ کے کرشماتی طریقۂ نبوی نے ان کو ایک الگ ومنفرد وممتاز امت بنا دینے کا ادراک وشعور بھی بخش دیا تھا۔

حدیث نبوی ﷺ کہ ''مسلمان جد واحد کی مانند ہیں کہ ایک عضو کی بیماری اور بے خوابی تمام جسم و جان کو مبتلائے آزار کر دیتی ہے۔'' کا زمانہ ارشاد وترسیل کچھ بھی رہا ہو اس کی واقعیت ابدی اور آفاقی ہے کہ مسلمان اپنے بھائی کے غم پر دکھی اور مسرت پر خوش ہوتا ہے۔ اس آفاقی محبت وتعلق خاطر نے صحابہ کرام کو اور ان سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دوسرے سے مواسات وخیر خواہی کا جذبہ عطا کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو خیر اپنے دشمنوں اور انجان ''قوموں'' کی خیر خواہی طلب فرماتے تھے کہ سب

ان کے ہی امتی اوران کے اپنے تھے۔ وہ تمام مسلمانان مکہ وعرب کا ہر وقت اور ہر آن اور ہر مقام پر خیال رکھتے تھے اور صحابہ کرام اپنے ہم دینوں خاص کر کم زوروں کا خیال رکھتے تھے۔ عام حالات کے بعد جب سخت حالات شروع ہوئے اور کم زور مسلمانوں پر بالخصوص تعذیب وابتلائے قریش کا ظالمانہ سلسلہ شروع ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور طاقتور صحابہ ان کی مواسات کرتے، ان کو تسلی وتشفی دیتے اوران کے عذاب کو کم کرنے کی سبیل نکالتے۔

دینی مواسات وخیر خواہی کا یہ فریضہ تھا صاحبانِ استطاعت پر اوران پر کم زور و پریشاں مسلمانوں کا حق تھا۔ مکی دور اقلیت میں اسی حق وفریضے نے مال دار مسلمانوں اوران کے عظیم الشان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کو مال کے ذریعے قید غلامی سے آزاد کرایا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ مال خدیجہ اور مال ابوبکر نے جتنا میرا کام کیا وہ کسی نے نہیں کیا کا مطلب یہی تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت بلال، زنیرہ، ام عبیس وغیرہ غلامان وکنیزان قوم کو آزاد کرایا اور مال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نہ جانے کتنوں کا دامن مسرت وآزادی سے بھر دیا۔ اہم بات یہ ہے کہ مسلم غلاموں اور کم زوروں کے صحابہ کے ذریعے آزاد کئے جانے کی واقعیت وحقانیت سے واقف تھے، لہٰذا وہ ان کو مال کے بدلے بیچ دیتے تھے۔ اسی سنت نبوی ﷺ اور تعامل صحابہ نے مسلمان قیدیوں، اسیروں، غلاموں اور باندیوں کو قید سے چھڑانے اور آزاد کرانے کے احکام جاری کرائے تھے۔ (۴۰)

مکی سماجی زندگی سے وابستگی کا حق

کوئی بھی اقلیت اپنی اکثریت سے قطعی لاتعلق نہیں رہ سکتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لاتعلقی اور اعتزال کا رویہ نہیں اپنایا۔ کفار سے علیحدگی اور اعتزال اور طاغوت سے اجتناب واحتراز کا فلسفہ وفکر مطلق نہیں، مشروط ہے اور اسوۂ ابراہیمی سے مطلق استناد غلط۔ تمام گزشتہ رسولوں اور نبیوں کو بالعموم اور سید المرسلین اور خاتم النبیین کو بالخصوص کافروں اور مشرکوں کو دعوت اسلام دینی تھی اور صحابہ کرام کو بھی کار دعوت انجام دینا تھا لہٰذا وہ ان سے قطعی لاتعلق نہیں رہ سکتے تھے۔ ان سے ہر طرح کا غیر مشرکانہ اختلاط ضروری تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے معاشرتی اختلاط، سماجی ربط وضبط اور سیاسی واقتصادی تعاون واشتراک بہرحال جاری رکھا۔ اس کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ قریش کے اکابر و مال دار اشخاص بعد نبوت بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے تھے جو ہجرت تک تحویل نبوی میں رہی۔ یہ ایک طویل بحث ہے، لہٰذا اس کے خاص خاص نکات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں تا کہ مکی مسلم اقلیت کے قریشی جاہلی اکثریت کے

ساتھ سماجی ارتباط و تعلق کا ایک وسیع منظر نامہ اپنے جامع اور مختصر چوکھٹے میں نظر آ جائے۔ (۴۱)

مشترکہ خاندان/بطن سے وابستگی: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خاندانوں سے ان کے رکن کی طرح وابستہ رہے۔ اپنے اعمام و عمات (چچاؤں، پھوپھیوں) کے علاوہ دوسرے تمام رشتہ داروں سے تمام سماجی تعلقات برقرار رکھے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک رہے۔ ابو طالب ہاشمی سے قریشی اکابر کے وفود کے واقعات، بنو ہاشم و بنو مطلب کی قومی حمایت اور سماجی مقاطعے کے واقعات ان کا ثبوت ہیں۔ اسی طرح تمام صحابہ کرام اپنے مشترکہ خاندانوں سے وابستہ رہے، غیر مسلم اجداد و آبا، کافر و مشرک رشتوں حتیٰ کہ کافر بیویوں سے تعلق رکھا۔ مکی دور میں کافر اور مشرک بیویوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم رکھنے کی اجازت الٰہی ان ہی خاص مصالح کی بنیاد پر دی گئی تھی۔

کھانے پینے اور سماجی رسوم میں اشتراک: رحمت عالم ﷺ نے ابی بن خلف جمحی جیسے دشمنوں کی دعوت طعام تک قبول فرمالی تھی۔ وہ اپنے تمام چچاؤں اور پھوپھیوں کے گھروں میں کھاتے پیتے تھے۔ خاص طور سے ابو طالب ہاشمی اور دوسرے اعزہ کا گھر ان کا طعام گاہ بھی تھا۔ ان کی شادی بیاہ میں شریک ہوتے، ان کے دوسرے رسوم و تقریبات میں حصہ لیتے، اور ان کے جنازے اور تدفین میں تشریف لے جاتے تھے۔ صحابہ کرام میں متعدد کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے کافر و مشرک آبا و اجداد کے گھروں میں کھاتے پیتے تھے اور رہتے سہتے تھے تا آں کہ ان پر رزق حرام اور دروازہ بند نہ کر دیا گیا۔ مسلمان فرزندوں اور دختروں اور بیویوں نے بالترتیب اپنے والدین، آبا و اعزہ اور شوہروں کے تمام سماجی حقوق مکی دور میں ادا کئے۔ ان کے حسن اخلاق نے ان کے دلوں میں جگہ بنائی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بوڑھے باپ ابو قحافہ کی دیکھ بھال اپنی ایک بہن کے سپرد کی اور جب ہجرت کی تو بہن کو، مسلم بہن کو باپ کی دیکھ بھال کے لئے پیچھے چھوڑ گئے۔ ایسی مثالیں بہت سی ہیں۔ (۴۲)

سیاسی و قومی معاملات میں اشتراک کا حق

کوئی اکثریت اپنی قومی زندگی میں اقلیتوں کے تمام معاملات و دین میں سے بے تعلق رہ سکتی ہے اور نہ ان کو قومی دھارے سے نکال سکتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی بھی اقلیت اپنی قومی اور سیاسی زندگی اور اس کے مسلمہ و مشترکہ اداروں اور اکائیوں سے اپنے کو بے دخل نہیں کر سکتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اقلیتوں کے حقوق کی بربادی تو ہوتی ہی ہے اکثریتی قومی زندگی بھی توازن کھو بیٹھتی ہے اور ایک بڑے سرمائے سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ جاہل عرب میں بالخصوص مکہ مکرمہ کے قریش میں ایک سیاسی نظام تھا جو کتنا

ہی ڈھیلا ڈھالا رہا ہو بہر حال قومی زندگی کو ایک سررشتہ میں باندھے رہا تھا۔ قومی قریشی ملا و مجلس کے کم از کم بارہ اہم مناصب و شؤن تھے جن کو موروثی طور سے تمام اہم ترین بطون میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ قیادہ (فوجی قیادت و سالاری) بنو امیہ میں تھی تو شہسوار فوج و پرچم کی ذمے داری بنو مخزوم و بنو اسد کی تھی، سقایہ و رفادہ بھی بنو ہاشم اور بنو عبدالدار وغیرہ نے حجاج کی سہولت کے لئے سنبھال رکھا تھا۔ کلید کعبہ اور حجابت و تولیت بیت اللہ بنو عبدالدار کی تھی اور سفارت قریش کا منصب بنو عدی کے پاس تھا اور مال وانساب اور مفاخرہ و منافرہ کا منصب بنو تیم کے پاس تھا۔ اسی طرح بنو جمح اور بنو سہم کے پاس مناصب تھے۔ (۴۳)

ان مناصب میں مکہ میں سے کم از کم تین مکی مسلمانوں کے پاس ہی رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نسب قریش اور مفاخرہ کے اسی طرح منصب دار رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کے قومی سفیر کبیر بنے رہے۔ حتیٰ کہ سخت آویزش کے باوجود مدنی دور میں حضرت طلحہ بن عثمانی عبدری جب مسلمان ہوئے تو حسب سابق کلیدِ کعبہ کے مالک اور حجابت و تولیت بیت اللہ کے منصب دار بنے رہے۔ امکان ہے کہ اور بھی مسلم منصب دار اپنے عہدے پر قائم رہے تھے اس باب میں دو اہم ترین نکات یا جہات قابل غور ہیں: اوّل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان مسلمان منصب داروں نے اپنے مناصب چھوڑنے کا حکم نہیں دیا کیوں کہ وہ اسلامی طریق سیاست، نبوی طریقت سماجی اور عرب قومیت کے خلاف تھا۔ حجابت کی مثال اہم ترین ہے۔ دوسرے قریش مکہ نے بھی اختلافِ دین یا اسلام کے قبول کرنے کے بعد ان منصب داروں کو ہٹانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ قومی اتحاد کے خلاف جاتی۔ بلاشبہ اُنہوں نے مسلمانوں اور ان کے امراء و قائدین کو ایسے تمام معاملات سے الگ رکھا تھا جن کا مقصد مسلمانوں کو دینی نقصان پہنچانا تھا۔ سیاست، سماج و معاشرت، تجارت و اقتصاد میں وہ دینی تقسیم اور مذہبی اعتزال کے خلاف ہی تھے کہ وہ پوری قومی زندگی کو متاثر کرتا۔ اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام قریش مکہ کے ساتھ دینی معاملات میں اشتراک کرتے تھے جو ان کے درمیان دین حنفی ابراہیمی کے سبب مشترک تھے: وہ طوافِ کعبہ ساتھ ساتھ کرتے، مشرک قریش اور کافر عربوں کے ساتھ حج و عمرے کرتے، ان کے ساتھ جوار و اعتکاف کرتے، ان کے ساتھ نمازِ چاشت پڑھتے اور دوسرے بہت سے امور ''تحنث'' (تعبد و تبرر) انجام دیتے تھے۔ (۴۴)

ہجرت کا حق و فلسفہ

ہجرت نبوت کا ایک لازمہ ہے۔ اس واقعیت کا اظہار حضرت ورقہ بن نوفل اسدی نے رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ رسالت محمدی ﷺ کی تصدیق کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا تھا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ ﷺ کو آپ کی قوم نکالے گی۔ حیرت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تھا کہ کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟ جواب دیا تھا کہ جو شخص بھی ایسا پیغام لے کر آیا اسے ضرور جلا وطن ہونا پڑا۔ حضرت ورقہ کے اس بیان میں انبیاء کرام کی ہجرتوں کی تاریخ مستور اور واقعیت مضمر وموجود تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے مرسل و نبی فرزندوں کی ہجرتوں کی تاریخ و واقعیت سے عرب، قریش اور آپ ﷺ بھی واقف تھے۔ (۴۵)

فلسفہ ہجرت تو یہ ہے کہ کفر وشرک کے غلبہ اور معاندین واعدا کی ستم گری حد سے بڑھ جاتی ہے تو رسول کو وطن سے دور کسی اور زرخیز یا نم مٹی میں ایمان و یقین کے بیج ڈالنے ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر ان کی ہجرت کے بعد ان کا وطن عذاب کی لپیٹ میں آجاتا ہے کہ ان میں قبول حق کا مادہ ہی نہیں رہ جاتا اور ان کی عداوت دین وحق ان کے لئے غضب الٰہی کو دعوت دیتی ہے۔ انبیاء و مومنین کی ہجرت کا حق تمام انسانی دستوری اور بشری معاشروں نے تسلیم کیا ہے اوران کو ہجرت کرنے پر اکساتے بھی رہے ہیں یا مجبور کرتے رہے ہیں۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوا کہ ہجرت کی راہ میں مانع دشمن کو عذاب الٰہی نے جلد آ پکڑا جیسے فرعونِ مصر غرقاب قلزم ہوا تھا۔ (۴۶)

سیرت نبوی ﷺ اور تاریخ صحابہ کرام میں ہجرت کے متعدد مصالح وعوامل تھے۔ ان میں تحفظ و حفاظت کا سبب فوری تھا۔ ہجرت حبشہ کی روئیداد سے ان کا ثبوت ملتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام میں بعض نے جب یہ دیکھا کہ وہ تو اپنی اپنی قوم کی حمایت کے سبب محفوظ ہیں لیکن بہت سے قریشی خاندانوں کے جوان و بے بس صحابہ اور کمزور مسلمان پنجہ استبداد میں پھنسے ہوئے ہیں تو آپ ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اس اذن نبوی میں اوّلین اور فوری وجہ یہ تھی کہ حبشہ کا بادشاہ غیر مسلم اور عیسائی ہونے کے باوجود عادل ہے اور اس کی انصاف پسندی سے توقع ہے کہ وہ مسلمان وہاں اپنے وطن سے زیادہ امن وچین سے رہیں گے۔ یہ عجیب مصلحت الٰہی اور حکمت تقدیری تھی کہ جو سب سے زیادہ کشتۂ تیغ ستم تھے وہ ہجرت نہ کر سکے کہ کم زور ہی نہیں غلامی کے بندھن کے اسیر تھے۔ اکابر قریش میں سے اکثر نے اس ہجرت کو بہ خوشی یا بھاری دل سے برداشت کیا۔ مگر معاندین کا سخت ترین طبقہ صحابہ کرام کے ایک بڑے نوجوان طبقے کے اس طرح اپنے چنگل سے نکل جانے پر بے چین و بے تاب تھا۔ لہٰذا اس نے ان کی واپسی کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ عادل حکمراں کے منصفانہ طریق سیاست سے مات کھا گئی اور مسلمان مہاجرین نے جب تک چاہا وہاں کے دارالامان میں قیام کیا۔ (۴۷)

ہجرت مدینہ

حبشہ کی ہجرت ۵۔۶/ نبوی ۶۱۵۔۶۱۶ء ایک مشکل کا فوری حل اور تحفظ حاصل کرنے کا ایک عارضی معاملہ تھا۔ یہ حقیقت سب کو معلوم تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وحی الٰہی اور حکمت نبوی کا استناد حاصل تھا، مہاجرین اور اکابر قریش کو صراحت کا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا بہت سے قریشی طاقت ور و صاحب استطاعت و منزلت صحابہ کرام ابھی تک مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ مدتوں سے صحابہ کرام سے زیادہ اکابر قریش اور شیوخِ قبائل دیکھتے آرہے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے باہر کسی مامن کی تلاش میں تھے۔ خاص طور سے ابو طالب ہاشمی کی وفات کی وجہ سے حمایت بنی ہاشم سے محرومی اور سفر طائف کے سانحے کے بعد رسول اکرم ﷺ مسلسل تمام طاقت ور قبائل عرب اور ان کے شیوخ و سادات سے ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ نصرت و حمایت کا دوگانہ مطالبہ فرما رہے تھے۔ اس کا مطلب سب پر واضح تھا کہ آپ ﷺ مامن و مستقر فراہم کرنے والے قبیلہ و علاقے میں جا بسنے کا الٰہی منصوبہ و عمل رکھتے تھے۔ لیکن قبائلِ عرب میں سے بعض قریشی طاقت سے خوف زدہ تھے، بعض عرب و ایرانی دونوں کی مخالفت کے امکانات سے لرزہ براندام تھے، بعض دوسرے سیاسی اقتدار و حکومت اور دینی بالادستی کی صورت میں اشتراک و وراثت اور جانشینی کا طالب تھے، جو آپ ﷺ کو منظور نہ تھا۔ (۴۸)

بالآخر ہجرت سے تین سال قبل ۶۲۰ء میں خزرج کے "چھ سرداروں سے" اتفاقیہ نہیں منصوبہ بندی کے مطابق ملاقات ہوئی۔ وہ عام حجاج و زائرین نہیں تھے بل کہ اپنے قبیلۂ خزرج کے چھ سربرآوردہ افراد تھے جو اپنے ہم وطن و عزیز قبیلہ اوس کے خلاف قریشی فوجی معاونت حاصل کرنے آئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے ہم وطن یہودی علماء کی پیشن گوئیوں اور دوسرے اسباب سے پیغام نبوی ﷺ فوراً قبول کیا اور نصرت و حمایت کے معاہدے کی تکمیل کے لئے ایک سال کی مہلت مانگی جو مل گئی۔ یہ ایسی خفیہ ملاقات تھی جس کی سن گن بھی قریش کو نہ مل سکی۔ اگلے سال ۶۲۱ء کے حج کے موقع پر اوس و خزرج کے حاجیوں کے قافلے سے چھ خزرجی سرداروں اور تین اوسی شیوخ نے ملاقات کر کے معاہدہ کیا۔ یہ نکتہ قابلِ غور اور اہم ترین ہے کہ اوّلین بیعت عقبہ میں شریک دونوں محارب قبائل مدینہ کا شیوخ تھے اور وہ ظاہر ہے کہ اوّلین خزرجی سرداروں کی دینی و سماجی اور سیاسی تدبیروں کی بنا پر ہی باہمی آویزش بھلا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی و سیاسی قیادت قبول کرنے پر آمادہ ہوئے تھے۔ ۶۲۱۔۶۲۲ء کی یک سالہ مختصر مدت میں اوس و خزرج کے جوشیلے اور فہیم و فطین سرداروں اور رسول اکرم ﷺ کا فرستادہ و نقیب حضرت مصعب بن عمیر بدری کی

پیہم کوششوں نے یثرب کو دارالامان سے دارالاسلام بنادیا اور اس کی آبادی کو مسلم اکثریت میں بدل دیا۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ نے نصرت وحمایت کا معاہدہ پکا کر دیا، جس میں قابلِ ذکر تمام شخصیات نے حصہ لیا اور اس نے ہجرتِ نبوی وصحابہ کی راہ ہموار کردی۔ یہ مستقل ہجرت تھی اور تحفظ وحفاظت کا مستقل نظام تھا۔ اسی نے مہاجرین حبشہ کو مدینہ پہنچایا اور مکی صحابہ کرام کو بھی ایک نیا اور مستقل وطن دیا۔ (۴۹)

ریاست مدینہ میں اقلیتوں کے حقوق

۱ھ/ ۶۲۲ء میں ہجرت مدینہ بالخصوص ریاست اسلامی کے قیام کے بعد اقلیتوں کے حقوق کا منظر نامہ خاصا بدل گیا۔ مکہ مکرمہ میں اقلیتی حقوق کے طالب مدینہ منورہ میں ان کے عطا کرنے والے بن گئے۔ اب غیر مسلم بالخصوص یہودی اقلیت میں تھے۔ مسلمان اکثریت میں ہونے کے ساتھ ساتھ حکمراں بن چکے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سیاسی قائد اور اسلامی ریاست کے سربراہ بن چکے تھے۔ یہودی قبائل اور ان کے حلیفوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف معاہدے کئے اور ان کا مجموعہ ''میثاق مدینہ/ دستور مدینہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ غیر مسلم طبقات اور قبائل نے آپ ﷺ کو رسول آخر الزماں ﷺ جانتے ہوئے بھی نہیں تسلیم کیا، مگر سیاسی قیادت وحکمرانی تسلیم کرلی۔ جغرافیائی سیاست (Geo- politics) کے فطری اور بے لچک تقاضوں کے سامنے ان کے لئے اور کوئی چارہ بھی نہیں بچا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''مدنی مواخاۃ'' اور دوسرے سیاسی ودینی اقدامات کے بعد ایک وسیع تر اسلامی امت کا روز افزوں سلسلہ چل نکلا تھا۔ مکہ مکرمہ میں صرف قریشی قبیلوں اور دوسرے مکی خاندانوں کے افراد وطاقت پر اوّلین اور اصل امت اسلامی بنی تھی جو کافی محدود بھی تھی۔ مدینہ منورہ میں اس مکی دینی بنیاد اور سماجی معاشرتی تنظیم پر ایک وسیع تر امت اسلامی میں مہاجرین وانصار کی طاقت کو متحد کیا گیا۔ اس وسیع تر امت اسلامی کی اساس دین اسلام پر تھی لہٰذا وہ اصطلاح ''دستور مدینہ'' کے مطابق تمام انسانوں سے ممتاز ومنفرد تھی۔ اس کے ساتھ غیر مسلموں بالخصوص یہودیوں کو امتِ مسلمہ کا رکن نہیں بنایا جاسکتا تھا کہ ان کے دین وشریعت اور رسول جدا تھے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی بالادستی یعنی اطاعتِ رسول کے دائرے سے بھی خارج تھے، لہٰذا ان کو امت اسلامی کا ''شریک ومعاہد'' بنایا گیا۔ معاہدوں کے ذریعے ان کو سیاسی نظام اور انتظامیہ سے وابستہ کیا گیا اور ان کے فرائض وحقوق دونوں متعین وواضح کئے گئے۔

اسلامی ریاستِ مدینہ کے سیاسی میثاق کے تحت تمام باشندگانِ حرم مدینہ نے رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بالادستی تسلیم کی اور اس کے تحت مدینہ منورہ کو دوسرا مقدس حرم مانا جس میں جنگ وجدال اور قتال و

حرب مکہ کی طرح حرام ٹھہرا۔ ریاستِ مدینہ کی حفاظت اور باہری حملے کی صورت میں اس کا دفاع اور جنگ وحرب کی صورت میں مالی اخراجات برداشت کرنا ان کا فرض بنا۔ سربراہِ مملکت کی ہر سیاسی اور جنگی معاملے میں اطاعت لازمی قرار دی گئی اور ان کی اجازت کے بغیر کسی کو جنگ کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ بین الاقوامی یا مسلمان و غیرمسلم کے درمیان اختلاف اور لڑائی جھگڑے عدالت نبوی میں لانے اور فیصلہ کرانے اور ان کو تسلیم کرنے بھی لازمی تھے۔ فوجداری کے معاملات، دشمنوں کو مدینے میں پناہ نہ دینے اور قریش کی حمایت وغیرہ کرنے کی پابندی عائد کی گئی۔ دیت وقصاص کے معاملات میں حسبِ دستور قبائل ادا کرنے کی ضمانت لی گئی۔ ایسے میں مختلف احکام و دفعات کے تحت وہ اسلامی ریاست کے ''ذمی'' بن گئے۔ (۵۰)

ذمی یا اہل الذمہ کی حیثیت سے یہودی قبائل وطبقات کو وہ تمام سماجی، دینی، مدنی حقوق دیئے گئے جو مسلم اقلیت نے مکہ مکرمہ میں قریش سے طلب کئے تھے اور جن کو اس زمانے کے سیاسی دستور اور نظام نے ہر جگہ تسلیم بھی کیا تھا۔ ان میں سب سے اہم جان و مال اور آبرو کے تحفظ کا حق تھا جو ان کو میثاق مدینہ کی متعدد دفعات نے عطا کیا تھا اور جس پر اسلامی ریاست کا برابر عمل رہا۔ جن یہودی اشخاص کو قتل کیا گیا وہ ریاست اسلامی کے خلاف غداری کے مجرم تھے یا جنگی مجرم تھے ان کو تورات کے حکم کے مطابق سزا دی گئی۔ ان کے مال وآبرو کی حفاظت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ ریاستِ اسلامی کے خلاف اور دستور مدینہ کے معاہدے کے برعکس بنوقینقاع اور بنونضیر کو معاہدۂ جنگ کی شق کے مطابق خودسپردگی کے بعد ان کو تمام اموالِ منقولہ ساتھ لے جانے دیا گیا۔ حتیٰ کہ ان سے اس اسباب کے لے جانے پر بھی تعرض نہیں کیا گیا جو انہوں نے اپنے گھروں، گڑھیوں اور مکانوں دوکانوں کی غیرمنقولہ جائدادوں سے بھی توڑ پھوڑ کر نکال لیا تھا اور ساتھ لادلے گئے تھے حالاں کہ معاہدہ کے مطابق وہ دروازوں اور دیگر سامان کو لے جانے کا مجاز نہ تھے اور سب سے بڑا ثبوت اور تاریخی واقعہ اور ان سے زیادہ معاہد و ذمی کے ساتھ اسلامی ریاست کے حسن سلوک اور ان کے حقوق کی مثالی ادائیگی کا یہ ہے کہ بنوقینقاع اور بنونضیر کو مسلمان قرض داروں سے اپنے قرضوں کی رقم وصول کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دی گئی۔ اس عرصے میں انہوں نے اپنے اصل مال (راس المال) تمام قرض داروں سے وصول کئے اور سودی رقوم البتہ ان کو شرط نبوی کے مطابق وصول کرنے کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ان کا مال ہی نہ تھا بل کہ وہ ان کا مذہبی صحیفہ تورات کی خلاف ورزی اور سماجی استحصال کی رقوم تھیں اور ان کو رسول آخرالزماں ﷺ کسی طرح روا نہیں رکھ سکتے تھے کہ وہ بہ ہر حال دینِ اسلام میں حرام رہی ہیں۔ (۵۱)

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے تیسرے متحارب وغدار یہودی قبیلے بنوقریظہ کو تورات کے حکم کے مطابق ہی سزا دی گئی کہ وہ اسلامی ریاست کے خلاف سازش وغداری اور جنگ کے مرتکب ہوئے تھے اور خود ہی اپنے ہاتھوں سے معاہدہ مدینہ کو پامال کر چکے تھے۔ ان کے بارے میں ایک اور مشہور روایتی نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل اور ان کے بچوں وعورتوں کو غلام بنا کر بیچ دیا گیا تھا اور ان کے تمام اموال وآراضی پر قبضہ کر کے ان کو مجاہدین یا مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ تمام سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق پایا جاتا ہے، لیکن تجزیہ نگاروں خاص کر ڈاکٹر برکات احمد اور ڈبلو این عرفات کا خیال ونظریہ ہے کہ بنوقریظہ کے سازشی سرداروں کو ہی قتل کیا گیا اور تمام بالغ مردوں کو نہ قتل کیا گیا تھا اور نہ ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا کر بیچا گیا تھا اور نہ ان کی آراضی پر قبضہ کیا گیا تھا بل کہ معاف کر دیا گیا تھا۔ مآخذ اسلامی کے متعدد واقعات وروایات اور اسلامی اصولِ عدالت کا منطقی دلائل اور متعدد دوسری چیزوں سے اس کو مدلل کیا گیا ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر زیادہ صحیح لگتا ہے کیوں کہ قتل عام کی روایات میں کافی جھول وضعف ہے اور صحیح روایات میں متعدد خاندانوں کے معاف کر دیے جانے کا واقعہ بھی ہے۔ (۵۲)

اسلامی ریاست میں ذمی حقوق

عہد نبوی میں اسلامی ریاست کے دس سالہ (۱/ ۶۲۲۔۱۱/ ۶۳۲) ارتقا کا منظر نامہ خاصا مختلف ہے۔ اوّل اسلامی ریاست کے شہرِ مدینہ سے باہر وسیع ہونے اور رفتہ رفتہ مختلف علاقوں کو اس میں مدغم کرنے کا معاملہ ہے۔ جو بالآخر کئی مرحلوں میں کمال کو پہنچا جب وفاتِ نبوی کے وقت پورے جزیرۂ نمائے عرب پر اس کا اقتدار قائم ہوگیا۔ ذمی اقلیتوں کے حقوق ومراعات کا معاملہ بھی اسی طرح کافی مختلف اور متعدد مرحلوں کا پیدا کردہ ہے جو اصولِ مدنیت وسیاست کے تنوع پر مبنی ہے۔ دس سالہ عہد نبوی میں ذمیوں یا ذمی اقلیتوں کے حقوق ومعاملات کی مختلف سطحیں اور صورتیں ملتی ہیں۔

۱۔ دستورِ مدینہ کے تحت عرب اور یہودی قبیلوں سے معاہدے جن کی رو سے ان کو ریاست اسلامی کا شریک کار فرائض وحقوق میں روایاتِ عرب کے مطابق درجہ دیا گیا تھا۔ اس کا کسی قدر مفصل ذکر اوپر آچکا۔ اسی شراکت کی بنا پر ان سے کبھی جزیہ نہیں لیا گیا۔

۲۔ شہر مدینہ کے قرب وجوار میں آباد عرب قبائل۔ جہینہ، مزینہ، مدلج، ضمرہ وغیرہ سے دفاعی معاہدے کئے گئے، یعنی فریقین ایک دوسرے پر حملے کی صورت میں ایک دوسرے کی فوجی امداد کریں گے ورنہ غیر جانب دار رہیں گے۔ (۵۳)

۳۔ عرب قبائل پر بذورِ شمشیر فتح حاصل کرنے کے بعد نبوی ریاست نے دل جیتنے کی حکمتِ عملی اختیار کی، نہ ان پر مالی پابندی لگائی گئی، نہ ان کے جنگی قیدیوں کو غلام بنایا اور اگر بعض حالات میں بنایا تو جلد ہی مصالحانہ طریقے سے آزاد کردیا جس کے نتیجے میں وہ غیر مسلم ہی نہ رہے اور نہ اقلیت بل کہ اسلامی ریاستِ مدینہ کے مساوی شہری اور اہلِ ایمان کا ہم پلہ بن گئے، جیسے قبیلہ بنوالمصطلق وغیرہ۔ (۵۴)

۴۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ کے غزوۂ دومۃ الجندل (۶/۶۲۸) میں بنو کلب کا قبیلہ غیر مسلم طبقات سے پہلی بار جزیہ وصول کیا گیا۔ وہ نقد و جنس میں تھا۔ یہ ''جزیہ علی الرقاب'' (گردنوں پر جزیے کے محصول) کی اوّلین مثال تھی۔ (۵۵)

۵۔ غزوۂ خیبر اور اس کے ماتحت غزواتِ فدک، تیمار اور وادی القریٰ کے فتوحات اسلامی کے نتیجے میں اقلیتوں سے ان کی زرعی اموال کی پیداواروں پر خراج لیا گیا۔ ان کی باہمی رضامندی بلکہ مفتوح قبائل کی اپنی پیش کش پر نصف پیداوار پر صلح کی گئی اور اس سے خراج یا جزیہ علی الارض کا اوّلین نبوی عمل اور اسلامی اصولِ مالیات نکلا اور اس نے نصف کو اعلیٰ شرح قرار دیا۔ (۵۶)

۶۔ غزوۂ تبوک کے زمانے کے دوران دومۃ الجندل کے کندی حکمراں اکیدر بن عبد الملک، ایلہ کا فرمانروا یوحنا بن رؤبہ مقنا، اذرح اور جرباء کے لوگوں سے جزیہ وخراج دونوں کی وصول یابی کی گئی اور نقد و جنس جزیے وخراج کی شرح مختلف تھی۔ کسی سے ایک چوتھائی پیداوار لی گئی اور کسی سے فی کس جزیے کے علاوہ جنس میں بھی وصول کی گئی۔ ایلہ والوں سے کل آبادی پر جزیہ وصول کیا گیا۔ (۵۷)

۷۔ جنوب مشرقی قبائل بالخصوص مجوس کی اقلیت سے بھی جزیہ لیا گیا حال آں کہ قرآن مجید کے مطابق وہ اہل کتاب پر عائد تھا۔ اسی سے شبہ اہلِ کتاب کا تصوّر اور نظریہ اور اہل کتاب کا توسیعی عمل شروع ہوا۔ وہ فی کس ایک دینار سالانہ تھا، بعض روایات کے مطابق مرد و عورت دونوں اس کی ادائیگی کے پابند تھے۔ عہد نبوی میں جزیے کی مختلف شرطیں نظر آتی ہیں۔ ان میں ایک وہ ہے جو بنوتمیم کے نصرانی قبائل نے خود پیش کی تھی کہ وہ مسلمانوں پر عائد زکوٰۃ کی شرح یعنی ڈھائی فیصد نقد ادا کیا کریں گے کہ وہ بھی عرب ہیں۔ (۵۸)

دراصل یہ بحث اسلامی محاصل جزیے وخراج کے عہد نبوی میں ارتقا و اطلاق سے زیادہ متعلق و وابستہ ہے۔ حقوق اہل الذمہ سے نسبتاً کم۔ اس کا مختصر حوالہ اس لئے یہاں دیا گیا کہ عہد نبوی میں ان کے حقوق وفرائض کا اندازہ ہو سکے۔ اصل حقیقت یہ اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ عہد نبوی میں اقلیتوں کے ساتھ مختلف سلوک کئے گئے اور مختلف اصول اپنائے گئے اور ان سب کا اطلاقی نتیجہ یہ تھا کہ ان کو اسلامی ریاست میں بہ طور اقلیتوں کے آباد رہنے کی اجازت دی گئی، ان کی جان، ان کا مال اور ان کی آبرو کی حفاظت کی گئی

اور اس حفاظت و شہریت کا عوض ان کو اسلامی ریاست کو ایک خاص محصول دینا ہوتا تھا۔ تمام معاملات بالعموم ان محاصل اسلامی کا تعین و نفاذ مفتوحہ یا صلح کے تحت مدغم ہونے والی اقلیتوں کے ساتھ معاہد پر مبنی تھا۔ اسی لئے وہ سب معاہد بھی تھے۔ (۵۹)

تفصیلات میں جائے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ تمام یہودی، عیسائی، عرب اور مجوسی اقلیتوں کو بنیادی حق کے علاوہ ان کو دوسرے تمام حقوق حاصل تھے، جیسے شخصی اور اجتماعی آبادی کا حق، دینی و مذہبی حقوق جن کے تحت وہ اپنے تمام دینی فرائض انجام دے۔ اپنے معاہد و مدارس کا انتظام کرتے تھے۔ سماجی حقوق جن میں نکاح و طلاق اور دوسرے تمام معاشرتی معاملات میں وہ آزاد تھے۔ اقتصادی و معاشی حقوق جیسے تجارت و زراعت، حرفت و اجرت کے علاوہ متعدد دوسرے مشاغل وہ اختیار کر سکتے تھے اور کرتے تھے، حتیٰ کہ وہ بسا اوقات ان کے تحت محض اپنی مالی برتری اور بہتر معیشت کے سبب مسلمانوں اور رسول اکرم ﷺ کا استحصال کرتے تھے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست کا دورِ حکمرانی میں غیر مسلم اقلیتوں کو مکی مسلمانوں کی اقلیت سے زیادہ حقوق، بہتر مراعات اور وسیع تر آزادی و خود مختاری حاصل تھی۔ محض اس بنا پر کہ اس کے سربراہ رحمۃ للعالمین تھے اور ان کی ریاست ایک فلاحی ریاست تھی۔ (۶۰)

دورِ حکمرانی میں مسلمان اقلیتوں کا تحفظ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد بھی بعض مقامات پر فتح مکہ تک مسلم اقلیتوں کا مسئلہ بنا رہا۔ ان میں ایک طرف ملکی/عرب مسلم اقلیتیں تھیں جو قریش مکہ کا درمیانی، عرب قبائل جیسے دوس و اشعر وغیرہ کے علاقوں میں موجود تھیں۔ دوسری طرف غیر ملکی مسلم اقلیت تھی جو بحرِ قلزم کے پار افریقہ کے براعظم کے ملک حبشہ میں آباد تھی۔ ان میں خاص تو عرب مہاجرین تھے جو بیشتر کیا بل کہ تمام تر قریش مکہ کے بطون کے نوجوان و پریشان حال افراد تھے جو اپنے عادل حکم راں کے قبولِ حق کے باوجود ایک غیر مسلم اکثریت کے درمیان بہ طور اقلیت رہ رہے تھے۔ وہ مکی مسلمانوں کی طرح اپنے ہی وطن میں اجنبی بن گئے تھے۔ اگر چہ ان کے مسائل دوسرے تھے اور ان میں حقوق اقلیت کا کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا۔ تاہم وہ بعض دینی معاملات، معاشرتی مسائل اور تجارتی یا اقتصادی اور نفسیاتی مشکلات سے ضرور دوچار تھے۔ (۶۱)

مکی مسلم اقلیت کے مسائل و مشکلات خاصی صبر آزما تھیں جو ان کا اقلیتی حقوق کو پامال کر کے پیدا کی گئی تھیں۔ ان میں سب سے خطرناک ان کی شخصی آزادی سے ان کی محرومی تھی جو محض دین اسلام قبول

کرنے کا نتیجہ ہیں، ان سے چھینی گئی تھی۔ ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ عرب کا قدیم قبائلی سماجی تحفظ کا نظام بھی ان کو شخصی آزادی اور دین پر عمل کرنے کا حق دلانے سے قاصر تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کم زور و بے بس اور لاچار مسلمانوں کو ان کے اپنے ہی ماں باپ اور عزیزوں نے قید و بند کا شکار بنا رکھا تھا۔ حضرت ابو جندل عامری رضی اللہ عنہ کا معاملہ سب سے نمائندہ مثال ہے کہ وہ اپنے باپ سہیل بن عمرو عامری کے ہاتھوں ہی قید میں ڈالے گئے تھے۔ اسی طرح ابو جہل مخزومی نے اپنے بھائی حضرت سلمہ بن ہشام مخزومی، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی نے اپنی ذاتی قید میں رکھ چھوڑا تھا۔ اسی طرح دوسرے قیدی مسلمان تھے جن میں حضرت ہشام بن عاص سہمی ولید بن ولید مخزومی اور ابو بصیر ثقفی وغیرہ بہت اہم تھے اور سب مقید و پابند زنداں تھے۔

دوسرا مکی مسلم اقلیت کا طبقہ مخلص مسلمانوں پر مشتمل تھا جو مختلف وجوہ سے مدینہ ہجرت نہ کر سکے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی اور ان کی والدہ ماجدہ کے علاوہ متعدد دوسرے مسلمان مرد و عورت شامل تھے۔

تیسرا وہ اہم طبقہ مسلم تھا جس کو قریش مکہ نے ان کے رفاہی کاموں اور دوسرے اعمال خیر کے سبب ہجرت نہیں کرنے دی۔ ان میں حضرت نعیم بن عبداللہ النحام عدوی اور خاندان بنو عدی/حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعدد افراد بلکہ طبقات شامل تھے لیکن ان کا مسئلہ اقلیتی نہیں تھا کہ قریش مکہ نے ان کو تمام حقوق اقلیت وشہرت دے رکھے تھے، بس یہ ضرور تھا کہ وہ قطعی آزاد شہری نہیں تھے۔ (۶۲)

ان میں سب سے اہم مسئلہ گرفتار و قید مسلمانوں کا تھا کہ وہ پابند سلاسل ہی نہیں، مظالم وحشیانہ کے شکار تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حالات کے دھارے پر بے کس و لاچار نہیں چھوڑ سکتے تھے کہ بہ طور سربراہ مملکت اسلامی ان کا خاص فرض اور امتِ اسلامی کا اجتماعی فریضہ تھا کہ ان کی گلو خلاصی کی سبیل نکالے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور ایک نیا اصول نکال کر اپنے بعض پر جوش صحابہ کو مکہ مکرمہ بھیج کر ان میں سے بعض کو قید و بند سے آزاد کرایا اور ان کو مدینہ منورہ بلوایا۔ ان خوش نصیبوں میں حضرات عیاش مخزومی اور ہشام سہمی بھی شامل تھے۔ (۶۳)

حضرت ولید بن ولید مخزومی برادر حضرت خالد بن ولید مخزومی از خود آزادی حاصل کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے۔ حضرت ابو بصیر ثقفی کا معاملہ ایک معاہد معاہدۂ صلح حدیبیہ نے مشکل بنا دیا تھا۔ قید و بند سے آزاد ہو کر وہ بھی مدینہ پہنچے لیکن صلح حدیبیہ کی ایک شرط کے مطابق ان کو ان کے متعاقبوں کے حوالے کر کے مکہ واپس کر دیا گیا، بلکہ اسی طرح جیسے صلح حدیبیہ کی شرط طے ہونے کے بعد مگر معاہدے کے لکھے

جانے سے قبل حضرت ابو جندل عمرو بن سہیل عامری رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے سپرد کر دیا گیا تھا کہ شرائط تو طے ہو چکی تھیں، اگر چہ لکھی نہیں گئی تھیں۔ قریشی نمائندے کے قانونی اعتراض کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا تھا اور اس نے ایک عجیب صورت حال پیدا کر دی تھی کہ تمام مسلمان صدمے سے دوچار اور بعض بعض تو غضب ناک ہو گئے تھے، مگر رسول اکرم ﷺ نے معاہدے کی پابندی کی اور اسلامی اصول نبھایا۔ ساتھ ہی پیشن گوئی فرمادی کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی دوسری سبیل پیدا کر دے۔ مگر اسی کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل کے لئے دو قریشی اکابر حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کی جوار بھی حاصل کر لی تھی کہ ان کو ظلم سے بچائیں گے اور بعد میں وہی ہوا کہ حضرت ابو بصیر ثقفی نے اپنے متعاقبوں کا خاتمہ کر کے مدینہ منورہ کے باہر ساحلِ بحر قلزم پر ڈیرہ ڈال دیا اور آزادی حاصل کر لی۔ ان کی مثال نے حضرت ابو جندل اور دوسرے مجبور و مقید مسلمانوں کو ایک اور مامن وملجا کی راہ دکھائی اور وہ سب ینبوع میں جمع ہو کر قریش کے تجارتی کاروانوں کے لئے خطرہ بن گئے۔ قریش مکہ نے خود اس ظالمانہ شق کی تنسیخ کی درخواست کی اور ساکنانِ ینبوع مدینے پہنچ گئے۔ (۶۴)

اس واقعے میں چند حکیمانہ پہلو بھی ہیں اور اصولِ سیاست اور حقوقِ اقلیت بھی۔

ایک یہ کہ اسلامی ریاست اور اس کے سربراہ کو دوسرے ممالک میں ظالمانہ قید میں اسیر مسلم اقلیت کو آزاد کرانے کا حق ہے۔

دوسرے یہ کہ مسلم قیدیوں اور اسیروں کو اپنی رہائی کی کوشش کرنے کا حق ہے۔ بہ شرطے کہ وہ محض دین وایمان یا استحصال کی بنا پر قید ہوں۔

تیسرے یہ کہ مجبور ولاچار اور مقید مسلم اقلیت کے افراد کو ظالمانہ معاہدہ کی شق منسوخ کرانے کے لئے اجتماعی جدوجہد کا حق حاصل ہے۔

چوتھے یہ کہ مسلم ریاست/ممالک غیر محفوظ و ظالم ممالک کی جیلوں میں اسیر قیدیوں کے رہا کرانے کی پابندی اور ان کی اجتماعی مساعی کی تائید کی تھی۔

پانچویں یہ کہ ظالم اکثریت و ملک کے حکمراں اسے اندرونی معاملات اور اپنے شہریوں کا مسئلہ نہیں بنا سکتے۔

ممالک غیر میں مسلم اقلیتوں کے متعلق اسلامی ریاست کی پالیسی

حبشہ کی عادل حکومت اور منصفانہ انتظامیہ میں مسلمان اقلیتوں کے عہد نبوی میں امن و امان سے

زندگی بسر کرنے اور تمام حقوقِ اقلیت بل کہ حسن سلوک سے نوازے جانے کے باوجود اسلامی ریاست مدینہ اور حکومت نبوی نے ان کی طرف سے آنکھیں نہیں موند لی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دورِ اقلیت میں رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سیاسی قائد کی حیثیتوں سے بھی ان کا خیال رکھا تھا۔ جس طرح بعض اکابر قریش جیسے ابو طالب ہاشمی نے اپنے قبیلے والوں اور عزیزوں کا بہ طور خاندانی سربراہ اور بہ طور پدر و والی لحاظ کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر قریش دونوں نے اپنے عزیزوں اور قریبوں کو اور عام مسلمانوں کو بسا اوقات مادی اسباب کے ہدایا بھیجے تھے۔ (۶۵)

مہاجرین حبشہ کو مادی امداد سے زیادہ اخلاقی سہارے کی ضرورت تھی کہ وہ دیارِ غیر میں اپنوں سے دور غربت کی کلفتیں اٹھا رہے تھے۔ ابو طالب ہاشمی اور ان جیسے دوسرے بعض اکابرین قریش کی اخلاقی امداد خاص خون کے رشتوں اور قبائلی مروت وعصبیت کے دھاگوں سے بندھی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی وسماجی نصرت وحمایت میں دینی قوت اور مذہبی اخوت بھی کارفرما تھی اور ان سے زیادہ خالص الٰہی ولایت بھی۔ اللہ ورسول کی محبت ودوستی اور نصرت وحمایت کے ساتھ ساتھ ان کو مسلسل کلام الٰہی مختلف طریقوں سے پہنچایا جاتا رہا تھا۔ وہ خود بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مکی مسلمانوں کے بارے میں آنے جانے والوں سے دریافت احوال کیا کرتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو حالات سے باخبر رکھتے تھے۔ متعدد اکابر صحابہ کے بارے میں بھی روایات ملتی ہیں کہ وہ ہر طرح کی اخلاقی، مادی، روحانی قرآنی اور تشریعی امداد سے ان کو نوازتے تھے اور اشارہ وکلام کے ذریعے سے بھی ان کی دل جوئی کیا کرتے تھے جو عرب قومیت کی غالباً سب سے بڑی حسیت تھی۔ (۶۶)

مکی دور میں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ابو طالب ہاشمی نے بھی شاہ حبشہ نجاشی کو فرامین وخطوط بھیجے تھے۔ ان میں شاہ نجاشی سے مہاجرین عرب کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کرنے کی درخواست کی تھی اور اس کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ مدنی دور میں فرامین رسالت کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی وفود بھی بھیجے تھے جن میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کا وفود اہم تھے۔ روایات میں تو ان کے دو ایک وفود کا ذکر آتا ہے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ وہ مسلسل حبشہ اور دربارِ نجاشی میں سفارتی کام کیا کرتے تھے۔ حبشہ اور عرب کے درمیان مدتوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے اور سماجی ومعاشرتی روابط بھی تھے اور دونوں کی مسلسل آمد ورفت بھی تھی۔ ان کے پیش نظر یہ واقعہ لگتا ہے کہ تجارتی کاروانوں، کشتیوں اور انفرادی تاجروں کے ذریعے بھی باہمی معاشرتی لین دین ہوا کرتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین ایک دوسرے سے خوب واقفیت رکھتے تھے اور مہاجرین کی قسطوں میں واپسی نے بھی ان کے درمیان رشتہ

استوار کر رکھا تھا۔(۶۷)

مختصر تجزیہ

عہد نبوی میں اقلیتوں کے حقوق کی تعداد مذکورہ بالا سے کہیں زیادہ تھی۔ ان کا ذکر اختصار کے ساتھ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

زبان و ادب کے تحفظ کا حق: مکی اقلیت کو اگرچہ اس حق کے تحفظ کی فکر نہیں تھی کہ ان کی اکثریت کی زبان و ادب بھی یک ساں تھے۔ تاہم حبشہ میں مہاجرین قریش کو اس کا حل تلاش کرنا پڑا، کیوں کہ وہاں کی اکثریت کی زبان حبشی تھی اور عرب مہاجرین کی عربی۔ ان دونوں میں تصادم تو نہیں تھا تاہم مہاجرین کو اپنی زبان و ادب کے محفوظ و برقرار رکھنے کا مسئلہ ضرور تھا۔ خاص کر اپنے نوزائیدہ بچوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں یہ ان کے شرف کی بات ہے کہ نہ صرف انہوں نے اپنی زبان برقرار و جاری رکھی بل کہ اس میں غالباً اولین ہجری عربی ادب کی تاریخ رقم کی۔ اس کے نمونے موجود ہیں۔ اس سے زیادہ سمجھ کی بات کی کہ اپنے نئے وطن کی زبان حبشی سیکھی اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دی۔(۶۹)

تہذیب و ثقافت کا حق: حبشی مہاجرین کو خاص کر اور مکی اقلیت کو عام طور سے اپنی خاص اسلامی تہذیب و ثقافت کو برقرار رکھنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ بلاشبہ عربوں کا تمدن اسلامی عہد میں بھی مشترکہ کہا جا سکتا ہے۔ مگر اس میں اسلامی رنگ نیا تھا۔ اسلامی احکام و آداب نے کھانے پینے، رہن سہن، ملبوسات اور نعلین، ظروف و برتن اور متعدد دوسری چیزوں میں استعمال کا فرق کر دیا تھا۔ حلال و حرام کھانوں، مشروبوں وغیرہ کی پابندیاں، لہو ولعب سے احترام کی پیش بندیاں، طور طریقوں میں تبدیلی کی گونا گویاں اور بہت سی دوسری چیزوں نے اسلامی تہذیب و ثقافت کا خاص رنگ و آہنگ پیدا کر دیا تھا اور وہ خاصا مشترکہ تمدن سے مختلف تھا، اس کی حفاظت کا حق بھی ان کو تھا۔(۷۰)

اسلام، رسول اور ملت کے خلاف پروپیگنڈے کو روکنے اور اس کا توڑ کرنے کا حق: غالباً اس عہد میمون میں بھی اتنا ہی اہم تھا۔ قرآن مجید، حدیث شریف اور سیرت مبارکہ میں اس آفاقی اور عالمی حق کا بہت زیادہ ذکر ملتا ہے اور وہ آج بھی امت اسلامی کا ایک مسئلہ ہے۔ قریش مکہ بالخصوص اور دوسرے عرب اور قبائل جیسے یہود و نصاریٰ قرآن مجید، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی امت پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے، خود تو کرتے تھے اور دوسروں سے امداد بھی لیتے تھے جن میں یہودی علمائے مدینہ پیش تھے۔ اس سہ گانہ پروپیگنڈے کا بھرپور جواب اور مفصل توڑ بہت سی آیات کریمہ، احادیث شریفہ اور

واقعات وروایاتِ تاریخی میں موجود ہے۔ صحابہ کرام نے اس مسئلہ کو خوب حل کیا تھا۔ (۷۰)

ایسے اور بھی بہت سے حقوق ہیں جو اقلیتوں کو عہد نبوی میں پیش آتے تھے اور ان کا تحفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

پس چہ باید کرد

سیرتِ نبوی دراصل اسوۂ نبوی کی تاریخ ہے۔ اسوۂ نبوی اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق امت کے عمل کے واسطے ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اقوال وعمال و تقاریر اور صحابہ کرام کے اقدامات، معمولات اور سنن نے ہر میدان حیات میں امت اسلامی کے لیے نمونہ چھوڑا ہے۔ اس عالم رنگ و بو اور وسیع کائنات میں تمام مسلمان اقلیتوں کو اپنے اپنے اختلافِ احوال اور تنوع معاملات کے مطابق عمل کرنا ہے۔ ان میں سے کچھ احوال و معاملات مشترکہ وآفاقی ہیں کہ تمام مسلم اقلیتیں ان کی امین ہیں اور کچھ میں ان کے ظروف و اسباب نے فرق پیدا کر دیا ہے۔ حکمتِ نبوی، فراستِ ایمانی اور مدنی و مکی دور کی سیرت مبارکہ بتاتی ہے کہ اس جہانِ رنگ و بو میں مسلم اقلیتوں کے کیا نصاب عمل ہے۔

اوّل اور اہم ترین معاملہ یہ ہے کہ تمام مسلم اقلیتوں کو اپنے حقوق کا ادراک وشعور ہو اور ان کی اسلامیت کا بھی احساس ہو۔ دوم ان تمام عالمی مسلم اقلیتوں کے پاس ایسا انتظام وطریقہ ہو جس کے ذریعے وہ اپنے حقوق کو اکثریت سے پرامن طریقے سے حاصل کرسکیں۔ پہلے معاملہ کا حل یہ ہے کہ وہ اسلامی تاریخ، سیرت نبوی اور قرآن وحدیث کے احکام سے خاطر خواہ واقفیت رکھتے ہوں اور اسی کے ساتھ ان کو اپنے اپنے ممالک ودیار کا حقوقِ اقلیت کے ضابطہ کا بھی علم ہو۔ یہ بھی ان کو معلوم ہو کہ ان حقوق کی آئینی اور دستوری حیثیت کیا ہے۔ دوسرے مسئلہ کا حل ایک بنیادی اور ناگزیر تعمیر میں مضمر ہے اور وہ ہے امت اسلامی کا اتحاد، ان کی ملکی تنظیم اور ان کی اجتماعی کوشش اتحاد وتنظیم اور اجتماعیت صرف ایک ہی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے اور وہ ہے ملی یگانگت، اسلامی اخوت، ایک اللہ، ایک رسول اور ایک قرآن اور ایک دین سے کامل وابستگی اور مختلف ملکی اور عقائدی اور فقہی اختلافات کی صحیح نوعیت وصحیح تر اطلاق سمجھنے کی صلاحیت۔

اسی کے ساتھ امتِ اسلامی کو وہ قوت حاصل کرنی ہے جو ان کے لئے دشمنوں اور حریفوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ناگزیر ہے۔ آج کے دور ہی میں نہیں جیسا کہ بالعموم کہا جاتا ہے بلکہ ہر دور میں اور خاص نبوی عہد میں وہ قوت ضروری تھی تعلیم کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جاہل ان پڑھ اور ان گھڑ

قوم عرب کو ایک عالم، پڑھی لکھی، مہذب اور ذہین وفطین امت میں تبدیل کر دیا تھا اور یہ تبدیلی صرف تعلیم سے آئی تھی۔ قرآن ورسول سے واقفیت اللہ وآخرت کی معرفت اور تمام دین واسلام کی جان کاری کا ایک ہی واسطہ تعلیم تھی۔ اسی لیے علم پر بہت زور ہے۔ اس علم وتعلیم میں دنیاوی اور دینی کا فرق نہیں تھا اور اسلام میں اب بھی نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ نمونہ سے وہ ثابت ہے۔ عہد نبوی کی مسلم اقلیت نے اپنے حقوق اسی تعلیم، اتحاد، تنظیم اور اجتماعیت سے حاصل کئے تھے اور آج بھی وہ ہر ملک میں ان ہی سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ انفرادی کوششیں، دوسروں کی معاونت، حکومتوں کی مہربانی، رفاہی اداروں کی استعداد جیسی چیزیں صرف امدادی ذرائع ہی ہیں۔ اصل طاقت امت اسلامی کی اپنی ہے جس سے ان کی تقدیر تو بدلتی ہے دوسری اقلیتوں کی تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔ (٦٧)

تعلیقات وحواشی

۱۔ بنیادی طور پر یہ مقالہ خاک سار کے خطبات سیرت پر مبنی ہے۔ جو حیدرآباد دکن میں جولائی ۲۰۰۲ء میں مولانا محمد رضوان قاسمیؒ ناظم دارالعلوم سبیل اسلام کی دعوت پر باغ عامہ کے وسیع ہال میں شہر کے اہل علم وفضل کے ایک بڑے مجمع کے سامنے دیئے گئے تھے۔ بعد میں وہ اردو میں ''مکی اسوۂ نبوی۔ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل'' بن کر دہلی ۲۰۰۴ء اور کراچی ۲۰۰۸ء سے شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر کی جانب سے وہ انگریزی میں شائع ہوئے۔ عنوان ہے: "The prophet Muhammad Aﷺ role model for muslim minortes"۔ ۲۰۰۶ء اصل مواد تو اسی کتاب پر مبنی اور اسی سے مستفاد ہے مگر اس میں خاصے اضافے کئے گئے ہیں۔ اس کے بعض استنباطات اور نتائج بھی نئے ہیں۔

۲۔ ''سماجی عدل۔ عہد نبوی میں'' خاک سار راقم کا ایک طویل غیر مطبوعہ مقالہ ہے جو ان شاء اللہ جلد شائع ہوگا۔ وہ بھی ایک خطبہ ہے۔ سماجی عدل پر سید قطب وغیرہ کی تحریریں بھی ملاحظہ ہوں۔

۳۔ ''مکی اسوہ نبوی'' کا ابواب اوّل، دوم کے علاوہ خاک سار کی کتاب ''عہد نبوی میں تنظیم، ریاست حکومت'' نئی دہلی ۱۹۸۵ء باب اوّل۔ دوم۔ آئندہ حوالے ''تنظیم ریاست وحکومت''

۴۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ دارالمعارف مصر ۱۹۶۰ء، ۱/۱۴۱۔ ۲۴۱۔ ازرقی، اخبار مکہ، بیروت ۱۹۶۴ء، ۶۶۔ شبلی، سیرۃ النبی، اعظم گڈھ ۱۹۸۳ء، ۱۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ مفصل بحث کے لیے، مضمون خاک سار، ''بنو عبد مناف۔ عظیم تر متحدہ خاندان رسالت۔'' معارف اعظم گڈھ فروری۔ مارچ ۱۹۹۶ء۔ مکی اسوۂ نبوی، ۱۷۔ ۲۰۔ ومابعد، وسائل معاش کی بحث کے لئے: مکی اسوۂ نبوی، ۱۶۰۔ ۱۶۸۔

۵۔ مکی اسوۂ نبوی، باب اوّل ۳۶۔ ۳۹۔ مقالۂ خاک سار ''جاہلی عہد میں حنیفیت، معارف اعظم گڑھ،

اکتوبر۔نومبر ۲۰۰۳ء۔

۶۔ مذکورہ بالا مقالہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، مکتبہ سلفیہ طباعت لاہور غیر مورخہ، ۱،۱۲۴۔۱۲۸۔ومابعد، خاک سار راقم کی کتاب مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقا۔فرید بک ڈپو دہلی ۲۰۰۶ء کا باب اوّل۔

۷۔ ابن ہشام، ۱۔۳۴۹ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دارالاسلام ریاض ۱۹۹۷ء/۲۲۳۔۲۲۹، مکی اسوۂ نبوی، ۵۶۔۵۷۔

۸۔ ابن ہشام، ۱۔۲۴۶۔۲۴۷، بلاذری، انساب الاشراف، قاہرہ ۱۹۰۹ء ۱۔۱۳۳۔

۹۔ ابن ہشام، ۱۔۲۶۴ وغیرہ۔

۱۰۔ مکی اسوۂ نبوی، ۵۶ ومابعد، قبائل عرب پر ’’تنظیم ریاست وحکومت‘‘ حضرت عمر کے قبول اسلام کو مذکورہ بالا روایات کے مطابق مخالفین نے ’’صباء عمر‘‘ کہہ کر تعبیر کیا تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار دین اور صحابہ میں متعدد کے قبول اسلام کے لئے یہی لفظ ’’صبا‘‘ استعمال کیا گیا تھا۔

۱۱۔ مکی اسوۂ نبوی، ۵۸۔۶۶ ومابعد بہ حولہ ابن ہشام ۱۔۲۶۸۔۲۷۰، بلاذری ۱۔۱۲۳۔۱۲۴، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، ج ۱۔۱۹۹ وغیرہ۔

۱۲۔ بالخصوص بلاذری ۱۔۱۲۳۔۱۲۴، مقالہ خاک سار ’’دعوتِ نبوی کے طریقے، تحقیقات اسلامی علی گڈھ، جنوری۔اپریل ۱۹۹۵ء

۱۳۔ تنظیم وحکومت کا باب دوم: قبائل عرب پر۔

۱۴۔ جاہلی عہد میں حنیفیت پر بحث ملاحظہ ہو، مفصل عبث کے لیے کتاب خاک سار ’’مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقا، دہلی ۲۰۰۷ء، ابواب عبادات وغیرہ۔مکی اسوۂ نبوی، ۶۷۔۶۹۔

۱۵۔ فتح الباری، ۱۔۳۰۶۔۳۰۷، سہیلی، الروض الانف، قاہرہ غیر مورخہ، مرتبہ عبدالرحمٰن الوکیل، ۳۔۱۱۔۱۵: **کان صلی اللہ علیہ وسلم قبل الاسراء یصلی قطعا و کذالک اصحابہ** الخ، بلاذری ۱۔۱۱۳: **فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج الی الکعبۃ اوّل الزار و یصلی صلوۃ الضحیٰ و کانت تلک صلاۃ لاتنکرھا قریش۔**

۱۶۔ ابن ہشام ۱۔۲۷۵۔۲۷۶: مکی اسوۂ نبوی، ۶۸۔

۱۷۔ بعض اردو کتب سیرت میں بالخصوص ایسی تشریح کی گئی ہے اور مستشرقین بھی وغیرہ خاص کر حضرت عمر فاروق کی شخصیت وفعالیت کو خاص نقطۂ نظر سے بیان کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ان کی ’’تاریخیت‘‘ زیادہ واقعی تھی۔

۱۸۔ ابن ہشام، ۱،۳۶۴، ابن سعد ۳،۲۶۹۔۲۷۰، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعہ دارالسعادہ، ۱۹۳۲ء، ۳،۳۱۔۳۳ مکی اسوۂ نبوی، ۱۸۱۔۱۸۵۔

۱۹۔ اسلام عمر رضی اللہ عنہ کی بحث ابن ہشام وغیرہ۔

۲۰۔ مکی اسوۂ نبوی، ۷۱۔ ۷۵، مابعد بہ حوالہ ابن ہشام ۱، ۳۳۷۔ ۳۳۸ و مابعد۔ سہیلی ۳، ۱۹۶۔ ۱۹۷، وغیرہ، فتح الباری، ۷، ۲۸۷۔ ۲۹۱۔ ثم بد الابی بکر فاتبنیٰ مسجد ابضاء دارہ و کان یصلی فیہ الخ۔

۲۱۔ مذکورہ بالا۔

۲۲۔ مکی اسوۂ نبوی، ۷۵۔ ۷۷ بہ حولہ ابن ہشام ۴۔ ۲۲۱، فتح الباری ۲۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹، ۷۔ ۳۰۶ وغیرہ۔

۲۳۔ مفصل بحث کے لیے: اسلامی احکام کا ارتقا، باب حج وعمرہ۔

۲۴۔ مفصل بحث کے لیے مقالہ، خاک سار'' عہد جاہلی مکی میں تحنث کی اسلامی روایت'' ششماہی جہالت اسلام لاہور، جولائی دسمبر ۲۰۰۷، فتح الباری: ۳۔ ۳۸۰، ۳۸۱ وغیرہ مختلف ابواب بخاری ومباحث فتح الباری نیز ۱۔ ۲۹، ۳۱ و مابعد۔

۲۵۔ مکی اسوۂ نبوی۔ ۷۷۔ ۹۳: مراکز پر مفصل بحث۔ بہ حولہ فتح الباری ۷۔ ۳۲۴ و مابعد، ابن ہشام ۱۔ ۲۰۹ و مابعد، بلاذری ۱۔ ۱۱۸، و مابعد۔

۲۶۔ سماجی تحفظ کے عرب نظام پر ملاحظہ ہو مضمون خاک سار'' عہد نبوی میں سماجی تحفظ کا نظام'' تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر دسمبر ۲۰۰۲، '' مکی اسوۂ نبوی'' ۱۴۷۔ ۱۷۷ بہ حولہ ابن ہشام: ۱۔ ۲۶۹، ۳۱۷ وغیرہ، سہیلی: ۳۔ ۴۸ و مابعد، ابن کثیر: ۳۔ ۵۷ و مابعد وغیرہ۔

۲۷۔ مذکورہ بالا بہ حولہ کتب حدیث وسیرت: ابن ہشام: ۱۔ ۳۲۱، بلاذری: ۱۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱ وغیرہ۔

۲۸۔ بخاری حدیث: ۳۸۶۴۔ ۳۸۶۵: فتح الباری: ۷۔ ۲۲۳

۲۹۔ بلاذری، ۱۔ ۲۰۵۔ ۲۰۷، فتح الباری، ۷، ۲۸۷۔ ۲۹۱۔ مکی اسوہ نبوی، ۱۷۶۔

۳۰۔ ابن ہشام ۱۔ ۴۰۶، سہیلی ۳۔ ۶۲ و مابعد، بلاذری، ۱۔ ۲۲۷ نیز مکی اسوۂ نبوی، ۱۷۷ اور مضمون سماجی تحفظ۔

۳۱۔ ابن ہشام ۱۔ ۳۹۱۔ ۳۹۴، بلاذری ۱۔ ۲۲۴۔ ۲۲۸، بحث کے لیے'' سماجی تحفظ کا نظام'' عرب سماجی تحفظ کے نظام میں حکمت نبوی سے یہ ایک نیا ارتقا ہوا تھا کہ مختلف اکابر قریش نے دوسرے قریشی خاندانوں کے مسلمانوں کو اپنی جوار میں لے لیا تھا۔ جب کہ خود ان کے اپنے اعزہ واقربا بلکہ ان کے فرزندان کے اپنے مظالم کا شکار تھے اور حمایت وتحفظ قومی سے محروم تھے۔ مثلاً ابولہب ہاشمی حمایت ونصرت نبوی کے خلاف اس حد تک گیا کہ قومی روایت توڑ دی اور ابوطالب ہاشمی کی بھی مخالفت کی۔ مگر جب ابوطالب ہاشمی نے بنومخزوم کا ایک فرد ابوسلمہ بن عبدالعزیٰ کو حمایت دی تو ابولہب ہاشمی نے بھی اس کی تائید کی۔ حضرت ابوسلمہ ان کے بھانجے تھے۔ ابواحیحہ سعید بن العاص اموی نے حضرت عثمان بن عفان اموی کو جوار دی مگر خود اپنے فرزندوں خالد وعمرو وغیرہ پر مظالم ڈھاتا تھا۔ ایسے دوسرے اکابر بھی تھے اور ان میں امیہ بن خلف جمحی مسلمانوں پر مظالم کرنے کے لئے بدنام بھی تھا مگر وہ بعض کو جوار دینے والا بھی بن گیا تھا۔

۳۲۔ بخاری، کتاب الوکالۃ، باب اذا وکل المسلم حربیا فی دارالحرب۔ اوفی دارالاسلام۔ جان، نیز بعض دیگر ابواب بخاری فتح الباری ۴۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ یہ بہت اہم حدیث اور واقعہ بھی ہے اور عہد نبوی میں سماجی تحفظ

اور مالی وتجارتی معاہدہ سے متعلق اصول بھی امام بخاری نے اس سے متعدد اصول وقواعد اسلامی نکالے ہیں اور احکام فقہی بھی جو ان کے تراجم ابواب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس پر مزید بحث کی ضرورت ہے۔ نیز بلاذری ۱۔۱۹۱، ابن ہشام ۲۔۱۷۱۔۲۷۲، سہیلی ۵۔۱۰۵۔۱۱۰، مکی اسوہ نبوی، ۱۷۸۔۱۷۹۔

۳۳۔ ''مکی اسوۂ نبوی''، ۱۸۵، ۱۹۱ و مابعد میں اس پر مفصل بحث ہے۔

۳۴۔ ابن ہشام ۱۔۲۷۵، سہیلی ۳۔۴۳، بلاذری ۱۔۱۱۶ و مابعد، فتح الباری ۷۔۲۰۹۔۲۱۴ و ماقبل و مابعد، مکی اسوۂ نبوی ۱۷۹۔۱۸۵۔

۳۵۔ ابن ہشام، ابن سعد، طبری، زرقانی وغیرہ کی روایات پر مبنی بیان شبلی ۱۔۲۴۴، مودودی ۲۔۶۱۲۔۶۱۵: شبلی نے لکھا ہے کہ ''زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے، جب یہ لکھا گیا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔'' مولانا مودودی وغیرہ کا یہ بیان صحیح نہیں کہ محصوری کے زمانے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام شعب ابی طالب سے باہر نہ آتے تھے۔ روایات میں وضاحت ہے کہ وہ برابر بیت اللہ آتے تھے اور دعوت دیتے تھے۔

۳۶۔ بخاری، کتاب المناسک، باب نزول النبی ﷺ مکۃ، مسلم، کتاب الحج، باب استحباب النزول بالمحصب، فتح الباری کے متعلقہ مباحث، شبلی و مودودی وغیرہ کے مذکورہ بالا مباحث، اس معاہدہ کو چاک کرنے والے شیوخ قریش تھے: مطعم بن عدی نوفلی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود، ابوالبختری، ہشام عامری، زہیر وغیرہ۔ مسلمانوں کے ساتھ اس محصوری کے زمانے میں حسن سلوک کرنے والے تھے: حضرت حکیم بن حزام اسدی، ہشام بن عمرو عامری جو مسلمانوں کو غلہ پہنچاتے تھے اور دوسری اشیا بھی۔ ان کی حمایت کرنے والے ابوالبختری تھے اور ان میں ابوسفیان اموی کا نام نمایاں اور اہم ہے جو صلہ رحمی کرنے والوں کو قریشی اکابر سے بچاتے تھے۔

۳۷۔ ابن ہشام نے بہ طور خاص ابن اسحاق کی روایت پر قریشی خاندانوں کے دین اسلام کی بنا پر مختلف حصوں میں منقسم ہو جانے کا ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام ۱۔۲۶۷۔۲۷۰، سہیلی ۳۔۴۶۔۴۷ و مابعد: **یفرق به بین المرء و ابیه و اخیه، وبین المرء و زوجته** الخ مکی اسوۂ نبوی، ۱۴۵۔۱۴۹ اور مابعد پر مفصل بحث ہے۔

۳۸۔ مکی اسوۂ نبوی، ۱۴۹۔۱۵۹ پر مفصل بحث ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مضمون خاک سار ''مکی مواخات۔ اسلامی معاشرہ کی اولین تنظیم'' معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۹۷، جنوری ۱۹۹۸ء۔ بالعموم تمام جدید سیرت نگار اور بعض بل کہ اکثر قدیم اہل سیر بھی مکی مواخاۃ کا ذکر مدنی مواخاۃ کے ضمن میں کرتے ہیں اور بہت ہی سرسری طریقے سے۔ وہ دونوں مواخاۃ کی اہمیت بھی نہیں جانتے ہیں۔ مدنی مواخاۃ کا بیان بھی تشنہ ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو: شبلی، مودودی، ادریس کاندھلوی، قاضی سلیمان منصور پوری وغیرہ کی متعلقہ بحثیں۔

۳۹۔ مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو: مکی اسوۂ نبوی، ۱۶۰۔۱۶۸ کی فصل ''مکی امت اسلامی کی اقتصادی تنظیم'' نیز دوسرے مقالات وکتب خاک سار جیسے غزوات نبوی کی اقتصادی جہات، علی گڑھ ۱۹۹۹ء

۴۰۔ مکی اسوۂ نبوی کی فصل: ''کمزور طبقات کی شیرازہ بندی'' ۱۰۹۱۔۱۶۰، بالعموم جدید وقدیم سیرت نگاروں

نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مظلوم غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی روایات پر ایک سلسلہ واقعات کا بہ طور ذکر کیا ہے اور اس کو ایک اجتماعی کام یا جماعت کی شیرازہ بندی کے منصوبہ نبوی کے بہ طور نہیں بیان کیا۔ ملاحظہ ہو: شبلی ۱۔۲۲۸۔۲۳۱، مودودی ۲۔۵۴۹۔۵۵۱۔

۴۱۔ مکی اسوۂ نبوی، ۱۶۸۔۱۷۱ بہ حوالہ بلاذری ۱۔۱۱۸۔۱۱۹، طبری، ۳۔۱۰۷، شبلی ۱۔۲۱۰

۴۲۔ مذکورہ بالا بہ حوالہ بلاذری ۱۔۱۳۷۔۱۳۸ برائے دعوت ابی بن خلف جمحی۔ ابن ہشام وغیرہ میں مکی سابقین اوّلین کے اپنے آباو اجداد کے گھروں میں کھانے پینے اور رہنے سہنے کے واقعات مذکور ہیں۔ ابو طالب ہاشمی کے گھر میں نبوی طعام و سکونت ایک مسلمہ واقعہ ہے۔

۴۳۔ شبلی ۱۔۲۱۱۔۲۱۳ وغیرہ نے ان مناصب قریش وغیرہ کی تفصیل عقد الفرید یا ابن ہشام جیسے سیرت نگاروں سے لی ہے۔ ان میں بنوامیہ کے منصب قیادہ (قریشی افواج کی سپہ سالاری و کمان) کا ذکر بالعموم نہیں کیا جاتا۔ اگر چہ جنگ فجار وغیرہ کے حوالے سے اُنہوں نے کیا بھی ہے۔ ارزقی، اخبار مکہ ص ۶۱ نے ان کی تفصیل اور نسل در نسل ان کی منتقلی زیادہ بہتر طریقے کی ہے۔ خاکسار کا مضمون: بنوعبد مناف پر ملاحظہ ہو۔

۴۴۔ مکی اسوۂ نبوی، ۱۷۱ میں یہ بحث تشنہ رہ گئی ہے۔ اس پر مزید تحقیق و تفصیل کی ضرورت ہے۔

۴۵۔ بخاری، کتاب بدء الوحی، نیز مسلم، باب بدء الوحی، نیز شبلی ۱۔۱۲۹ و مابعد: سلسلہ اسماعیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت وغیرہ، نیز مکی اسوۂ نبوی کا باب ہجرت مدینہ و حبشہ۔

۴۶۔ ہجرت انبیاء پر سب سے مستند بیانات قرآن مجید میں ان سے متعلقہ آیات کریمہ میں موجود ہیں۔ مکی اسوۂ نبوی، ۲۳۱ بالخصوص

۴۷۔ ابن ہشام ۱۔۳۴۳۔۳۴۴ و مابعد، بلاذری ۱۔۱۹۸ و مابعد، مکی اسوۂ نبوی ۱۰۳۔۱۱۷ و مابعد

۴۸۔ مودودی، ۲۔۶۸۳۔۶۹۰ و مابعد میں اس پر کافی بحث ہے، شبلی ۱۔۲۵۲ وغیرہ

۴۹۔ مکی اسوۂ نبوی، ۲۳۵۔۲۴۲، فتح الباری، ۷۔۳۲۴۔۳۲۶ وغیرہ

۵۰۔ مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت کا باب اوّل بالخصوص دستور مدینہ پر بحث۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسے اہل علم نے بھی یہود مدینہ کو اسلامی امت میں شامل اور رکن بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اگر اسلامی امت کی اساس دین اسلام تھی تو یہودی اس کے رکن کیسے ہو سکتے ہیں؟ میثاق مدینہ کی اوّلین دفعہ ہی اسلامی امت کو سارے انسانوں سے ممتاز بناتی ہے۔

۵۱۔ تنظیم ریاست و حکومت کا باب اوّل نیز برکات احمد، Muhammad & Jews اردو ترجمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود۔

۵۲۔ مذکورہ بالا

۵۳۔ ان معاہدوں کے متوفی کے لئے ملاحظہ ہو: محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، قاہرہ ۱۹۴۱، ۵۱۔۱۷، اردو ترجمہ الرسالات النبویہ از نثار احمد فاروقی، نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۲۸،

۲۔۲۳۹۔۲۴۱، نیز تنظیم ریاست وحکومت کا باب اوّل: عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں۔ محرکات ومسائل اور مقاصد میں مفصل بحث ہے۔

۵۴۔ مذکورہ بالا تنظیم ریاست وحکومت کا باب اوّل، قبائل عرب کی عداوت پر فصل: بدر، نبوی المطلق اور حنین وغیرہ کے تمام قیدیوں کی رہائی پر بحث۔

۵۵۔ ابن سیّد الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، بیروت ۱۹۸۶ء، ۲۔۱۰۵ کا بیان ہے جو ابن سعد کی روایت پر مبنی ہے کہ حکم ران بنو کلب حضرت اصبغ بن عمرو کلبی اسلام لے آئے اور ان کے ساتھ دوسرے بھی بہت سے لوگ اسلام لائے اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہے وہ جزیہ عطا کر کے قائم رہے: وامام من اقام علی اعطاء الجزیۃ۔ یہ بیان بعض دوسرے قدیم سیرت نگاروں کے ہاں ہے مگر جدید اردو سیرت نگاروں میں سے متعدد نے جیسے ادریس کاندھلوی، عبدالرؤف داناپوری، صفی الرحمٰن مبارک پوری وغیرہ نے صرف اس بیان کو چھوڑ دیا ہے۔

۵۶۔ بخاری، کتاب المغازی، غزوۂ خیبر، فتح الباری ۷۔۵۸۵، ومابعد، نیز تنظیم ریاست وحکومت، مالی نظام پر باب ابن ہشام، واقدی وغیرہ متعدد اہل سیر نے اور قاضی ابو یوسف، یحییٰ بن آدم جیسے متعدد فقہا نے اپنی کتب میں اس پر بحث کی ہے۔ ابن سیّد الناس ۲۔۱۴۴ و مابعد میں اہل سیر وعلمائے فقہ وحدیث کی روایات کو جمع کر دیا ہے۔ تنظیم ریاست میں مفصل بحث ملاحظہ ہو۔

۵۷۔ ابن سیّد الناس، ۲۔۲۰۹ ومابعد بہ حوالہ ابن اسحاق، ابن سعد وغیرہ، شبلی ۱۔۵۶۶ء کے علاوہ ادریس کاندھلوی، عبدالرؤف داناپوری وغیرہ نے بھی اس غزوے کے دوران شاہ ایلہ اور باشندگان جرباء اذرح ومقناد وغیرہ کے جزیے پر رضامندی کا ذکر کیا ہے۔ داناپوری کی بحث خاص ''الجزیہ'' ۳۷۰۔۳۷۴ میں اس کا حوالہ ہے مگر ان کا نظریہ کہ ''جزیے کی ابتدا تبوک کے بعد ہوئی'' روایات کے خلاف ہے۔ ان کی اس بحث میں الجزیہ پر کافی اختلاف وتضاد بھی ملتا ہے اور فقہی وتاریخی لحاظ سے وہ غلط استشہاد پر مبنی ہے۔

۵۸۔ مذکورہ بالا عبدالرؤف داناپوری نے بنو ثعلب سے خلافت فاروقی میں جزیہ طلب کرنے کی بات کہی ہے اور بلا حوالہ ہے۔ ان کا بیان بھی بلا حوالہ اور دل چسپ ہے۔ ''یہ بات طے پائی کہ ان سے جزیہ میں دوگنی زکوٰۃ لی جائے اور صدقہ کے نام سے لی جائے چنانچہ اسی پر معاہدہ ہوگیا اور چونکہ زکوٰۃ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے اس لئے بنی ثعلب کی عورتوں سے بھی دوگنی زکوٰۃ مقرر ہوئی۔'' (۳۷۴) دوگنی زکوٰۃ کی وصول یابی کا نظریہ داناپوری پوری تاریخ اسلامی اور تاریخ ارتقاصدقات اسلامی میں ایک نئی مثال ہے جسے صرف عجیب وغریب کہا جا سکتا ہے۔

۵۹۔ جزیے پر خاکسار راقم کا مقالہ لکھنے کا ارادہ ہے۔ مفصل بحث کے لئے تنظیم ریاست (حکومت) کے ابواب اوّل وچہارم فی الحال ملاحظہ ہوں۔

۶۰۔ مستشرقین تک نے اعتراف کیا ہے کہ مفتوحہ اقوام وقبائل اور اہل ذمہ کے ساتھ سلوک نبوی اور اسلامی ریاست کی پالیسی احسان پر مبنی تھی۔ ملاحظہ ہو۔ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، آکسفورڈ ۱۹۵۴ء وغیرہ کے

ابواب متعلقہ، ڈی سی، ڈینٹ، جزیہ اور اسلام (اردو) Conversion & Poll-Tox in Early Islam، کیمبرج، ۱۹۵۰ء (انگریزی) کے اوّلین ابواب۔

۶۱۔ مکی اسوۂ نبوی، باب ہفتم: مسلم اقلیتیں۔ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد، ۴۴۲۔۶۷۲.

۶۲۔ مذکورہ بالا۔

۶۳۔ مذکورہ بالا بہ حولہ ابن ہشام ۲۔۳۷۶۔۴۷۶، بلاذری ۱۔۲۲۰، ابن سعد ۴۔۲۳۱۔۳۴۱

۶۴۔ مکی اسوۂ نبوی، بہ حولہ بن ہشام ۲۔۲۷۳۔۴۷۳، سہیلی، ۶۔۳۶۴، بلاذری ۱۔۱۱۲۔۹۱۲ و مابعد، ابن کثیر ۴۔۱۷۶۔۱۷۷ قیدیوں کے لئے جوار کی فراہمی کے بارے میں بلاذری ۱۔۲۲۰ کا بیان اہم ہے: **فردّه رسول الله صلى الله عليه وسلم على ان اجاره حويطب بن عبدالعزیٰ و مكرز بن حفص و ضمنا ان يكف ابوه عنه۔**

۶۵۔ مکی اسوۂ نبوی، ۲۷۲۔۳۷۲ نیز باب سوم: حبشی امت اسلامی، بالخصوص ۱۳۴ و مابعد بہ حولہ بلاذری ۱۔۱۹۸ **کن ابوطالب تیعهد الی ان مات باللطف و النفقة**، سہیلی ۱۔۲۶۰، وغیرہ

۶۶۔ مکی اسوۂ نبوی، ۱۳۱۔۱۴۷

۶۷۔ ابن ہشام ۱۔۳۵۳۔۳۵۷، سہیلی ۳۔۲۳۰۔۲۳۹ و مابعد

۶۸۔ مذکورہ بالا ۲۷۴۔۲۷۶: اسد الغابہ میں سوانحی خاکہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری پر نیز اصابہ وغیرہ میں۔

۶۹۔ مکی اسوۂ نبوی، ۸۳ و مابعد میں اس پر بحث ہے۔ حضرت خالد بن سعید اموی کی دختر نیک اختر حضرت امۃ بنت خالد رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں حبشی زبان سیکھ لی تھی: **وكانت تعلمت لسان الحبشة، لانا ولدت ہار صنعر**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حبشی زبان میں کلام بھی فرمایا تھا جس پر امام بخاری نے عجیب و غریب باب باندھا ہے: کتاب الجہاد، باب من تکلم بالغاسیۃ۔ وہ فارسی تو نہ تھی، بخاری میں دوسرے ابواب بھی ہیں اور صرف وہی حبشی زبان سیکھنے والی اکیلی خاتون نہ تھیں۔ دوسرے مہاجرین و مہاجرات نے بھی سیکھی تھی۔

۷۰۔ اس بحث کے لئے ملاحظہ ہو: ''اسلامی احکام کا ارتقا'' اور خاص تمدن کے حوالے سے آئندہ کتاب خاک سار ''عہد نبوی کا تمدن''

۷۱۔ مکی اسوۂ نبوی میں ذیلی فصول: دفاعی اقدام کا حق، قریش پر چار کا توڑ وغیرہ، ۱۷۹۔۲۰۸۔ آج بھی یہی الزامات برابر عائد کئے جاتے ہیں۔

۷۲۔ مکی اسوۂ نبوی کا آخری باب ملاحظہ ہو: ۲۷۷۔۳۱۰ ''معاصر مسلم اقلیتوں کے لئے لائحہ عمل'' جس میں وہ تمام طریقے زیر بحث لائے گئے ہیں جن کے ذریعے مسلمان اقلیتیں اپنے حقوق ہی حاصل نہیں کر سکتیں بل کہ اپنی اقلیت کو اکثریت میں بدل سکتی ہیں۔